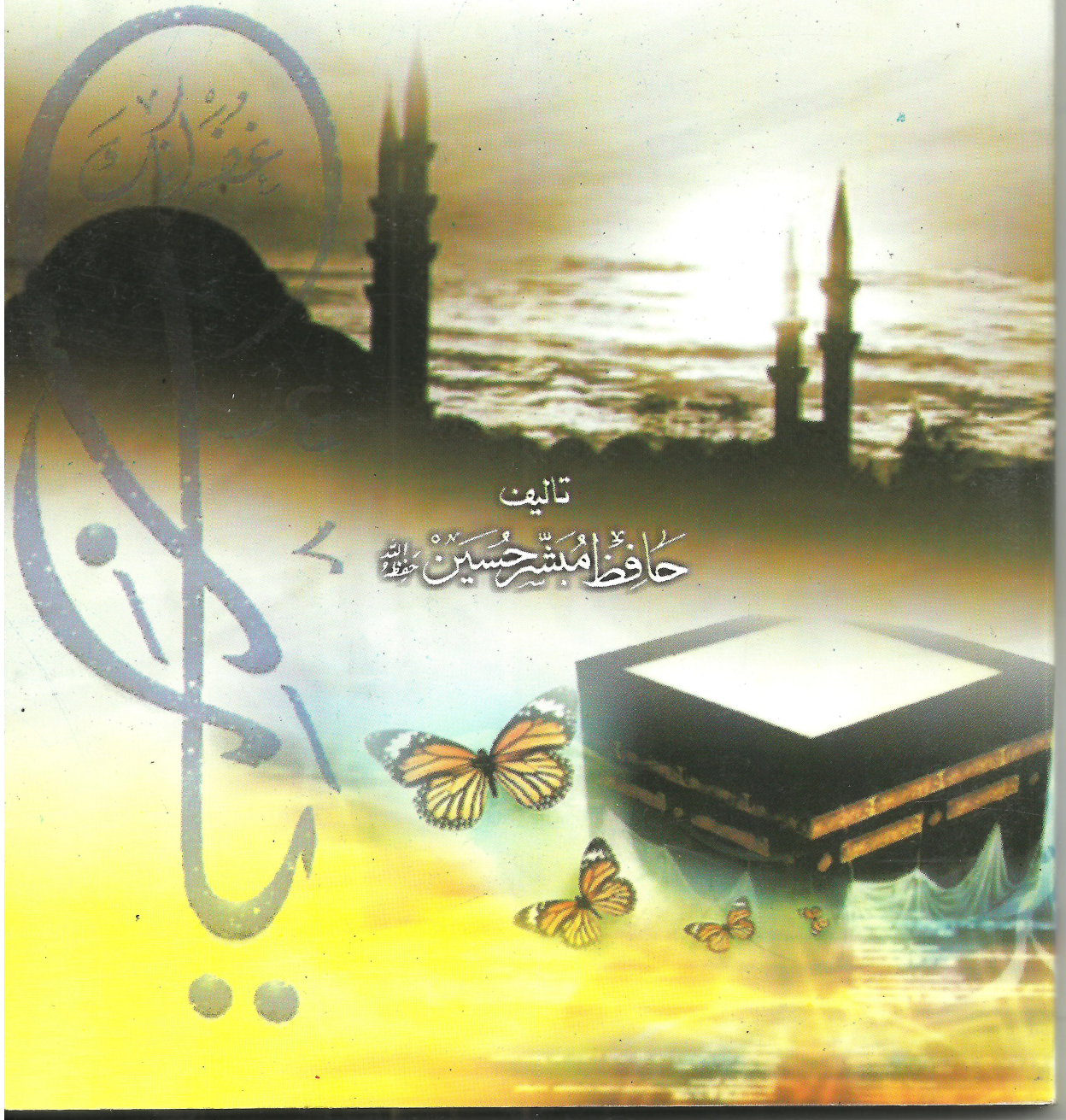


عز وجل اللہ اور انسان



تالیف

حافظ امین حسین

عز و جل اللہ اور انسان

حافظ امیر حسین
حفظہ اللہ

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲

فون: 23284740/23282550 فیکس: 23267510

نام کتاب : اللہ اور انسان
تالیف : حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ
ناشر : اریب پبلیکیشنز
سن اشاعت : 2013
صفحات : 174
قیمت :

ALLAH AUR INSAN
Hafiz Mubashshir Husain

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-۲

فون: 23282550/23284740 فیکس: 23267510

آئینہ کتاب

11	* پیش لفظ..... از قلم: مصنف
15	* تقریظ..... از قلم: حافظ محمد ادریس صاحب [ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی لاہور پاکستان]
16	* تقدیم..... از قلم: پروفیسر عبدالجبار شاہ صاحب [ڈائریکٹر دعوت اکیزی، بیت الحکمت]

ب 1

اللہ تعالیٰ..... ایک تعارف

22	فصل ۱..... کیا اللہ تعالیٰ موجود نہیں؟
22	* نباتات کون آگاتا ہے؟
25	* جمادات اور کائنات کس نے پیدا کیا ہے؟
27	* انسان اور حیوانات کا خالق کون ہے؟
28	* کائنات کی کوئی چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہوئی!
28	* بغیر منتظم کے کوئی نظام نہیں چلتا!
29	* کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہے!
30	* ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود محال ہے!
31	* اللہ نظر کیوں نہیں آتا.....؟
33	* اللہ کس نے پیدا کیا ہے؟
34	فصل ۲..... مختلف ادیان مذاہب کا تصور الہ
35	* یہود و نصاریٰ کا تصور الہ (خدا)

36	* یہود و نصاریٰ نے اللہ کی شان کی تائی کے حصے کر دیے
39	* موجودہ بائبل اور تصور توحید
41	* موجودہ بائبل اور تصور خدا
41	* بندہ مت اور تصور اللہ
43	* دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب کا تصور اللہ
43	* مشرکین عرب کا تصور خدا
44	* بت پرستی
44	* ملائکہ پرستی
44	* جنات پرستی
46	فصل ۳..... اسلام کا تصور اللہ (تعارف باری تعالیٰ)
46	* اللہ تعالیٰ کا تعارف
47	* اللہ تعالیٰ کی ذات باہر کات
48	* اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ
48	* اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ
49	* اللہ تعالیٰ کی باہرکت آنکھوں کا تذکرہ
50	* اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ
51	* اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ
51	* اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟
54	* اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ
56	فصل ۴..... کیا اللہ ﷻ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟
57	* آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

59	* کیا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟
59	* اختلاف کا پسلا سبب
62	* اختلاف کا دوسرا سبب
63	* آنحضرت ﷺ کی حدیث سے فیصلہ
64	* روایت باری تعالیٰ اور بعض ضعیف روایات
65	* حالت خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار
67	فصل ۵..... اللہ ﷻ کے بارے میں چند گمراہانہ نظریات!
67	(۱) نظریہ وحدۃ الوجود یعنی ہر چیز اللہ ہے، لمعاذ اللہ!
67	(۲) نظریہ وحدۃ الشہود یعنی سب کچھ اللہ کا 'پرتو' ہے، معاذ اللہ!
68	(۳) نظریہ حلول و اتحاد یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں، معاذ اللہ!
68	* وحدۃ الوجود، وحدت الشہود اور حلول و اتحاد (خلاصہ)
68	* عقیدہ حلول و اتحاد کی تردید
71	* عقیدہ وحدت الوجود کی تردید
72	* عقیدہ وحدت الشہود کی تردید
72	* وحدۃ الوجود، شہود اور حلول کے اثبات کے دلائل کی حقیقت
73	* باطل نظریات کے تائید میں بنائی گئی چند جھوٹی احادیث
74	* آیات قرآنی اور صحیح احادیث سے غلط استدلال
76	فصل ۶..... اللہ ﷻ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان
77	* قرآن و حدیث سے اسمائے حسنیٰ بیان کرنے کا اصول
78	* قرآن و حدیث سے ثابت شدہ بعض اسماء
80	* کیا خدا اللہ کا نام ہے؟

انسان..... ایک تعارف

83	*..... انسانی تخلیق کا آغاز اور نظریہ ارتقاء
83	* نظریہ ارتقاء پر اعتراضات
87	* نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین
88	* پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کی تخلیق
89	* حضرت آدم ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے
89	* قرآن مجید کے دلائل
90	* احادیث کے دلائل
91	* حضرت آدم ﷺ نوے فٹ لمبے تھے!
93	* حضرت آدم ﷺ جمعہ کے روز پیدا ہوئے
94	* حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق
95	* مولانا مودودی کی رائے
96	* مصنف کی رائے
97	*..... انسانوں کی پہلی تخلیق اور ان سے عہد و پیمان
97	* نسل انسانی کی تخلیق اور استبرک کا عہد و پیمان
99	* کیا یہ عہد صرف روحوں سے لیا گیا تھا؟
100	* کیا یہ عہد مجازی اور تمثیلی تھا؟
101	* ہمیں یہ عہد کیوں یاد نہیں؟
104	* انسانوں کی تخلیق کے مراحل

اللہ تعالیٰ اور انسان کے باہمی تعلق کی بنیادیں

106	فصل ۱ پھلا تعلق ؛ خالق اور مخلوق کا!
108	* سب کچھ ایک اللہ ہی نے پیدا کیا ہے
109	* ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے
111	* ہمارا رزق اور داتا بھی اللہ ہے
111	* تمام جانداروں کا رزق بھی اس اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے
111	* انسانوں کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے!
112	* وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے!
112	* سارے خزانے اللہ کے پاس ہیں
113	* کائنات کا مدبر و منتظم بھی صرف اللہ ہے
113	* غیب کا سارا علم بھی اللہ کے پاس ہے
114	* اللہ تعالیٰ ہی قادرِ مطلق ہے
114	* مختارِ کل اور مالکِ الملک (شہنشاہ) بھی اللہ ہے
114	* حاکمِ اعلیٰ بھی اللہ ہے
114	* نفع اور نقصان بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے
115	* زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے
116	* اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟
117	* صحت اور شفا بھی اس اللہ کے ہاتھ میں ہے
117	* اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے
117	* قسمت کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے

117	* اچھے کام کی توثیق بھی اللہ ہی دینے والا ہے
117	* ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے
118	*..... مشرکین مکہ اور موجودہ کلمہ گو مسلمان!
118	* مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے
120	* پھر انہیں کافر مشرک کیوں کہا گیا؟
120	* غیر اللہ کی عبادت (تعظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)
121	* مشرکین صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے.....!
122	* مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مانوق الاسباب اختیارات دیے ہیں
124	* مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید
127	* مشرکین مکہ سخت تنگی میں صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے!
128	* ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ
130	فصل ۲..... دوسرا تعلق؛ عابد اور معبود کا!
131	* عبادت کیا ہے؟
133	* عبادت کیسے کی جائے؟
135	* اصل توحید توحید عبادت ہے
136	* توحید عبادت کی بنیادی صورتیں
136	عبادت کی پہلی صورت..... زبانی عبادتیں
136	(۱)..... مدد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا و فریاد کی جائے
139	* حضرت آدم علیہ السلام کی دعا
139	* حضرت نوح علیہ السلام کی دعا
139	* حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

140	* حضرت یونس علیہ السلام کی دعا
140	* حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا
141	* حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا
141	* حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا
142	(۲)..... ایک اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے
142	(۳)..... اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے
142	(۴)..... صرف ایک اللہ کی قسم کھائی جائے
143	(۵)..... توبہ و انابت
143	(۶)..... توکل و اعتماد
143	عبادت کی دوسری صورت..... جسمانی عبادتیں
144	* دل سے متعلقہ عبادتیں
144	(۱)..... ایمان و یقین
144	(۲)..... محبت و خشیت
144	(۳)..... رجا و رغبت
145	* جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں
145	* نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے
146	* رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے
148	* قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت
149	* طواف و اعتکاف بھی صرف اللہ کے لیے
150	* حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے
150	عبادت کی تیسری صورت..... مالی عبادتیں

150	* نذر و نیاز صرف ایک اللہ کے لیے
152	* ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے
154	فصل ۳..... تیسرا تعلق؛ محتاج اور غنی کا!
155	* تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں
158	* سب سے بڑی نعمت ایمان و اسلام کی نعمت ہے
159	* انعامات کے ساتھ آزمائش بھی لازم ہے
160	*..... مصائب و مشکلات کیوں آتی ہیں؟
162	* مصائب و مشکلات سے نجات کی راہیں
162	1..... برے اعمال سے توبہ کرنا
162	* برائی، بدی اور گناہ
163	* توبہ و استغفار
164	* عیسائیوں کا تصور توبہ و استغفار
165	2..... اللہ کے حضور دعائیں اور التجائیں
166	* واسطے وسیلے کی حقیقت
167	* وسیلے کی جائز شکلیں
168	1..... اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کا وسیلہ
168	2..... اعمال صالحہ کا وسیلہ
170	3..... نیک زندہ شخص سے دعا کروانا
171	3..... اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات
173	4..... مظلوم اور پریشان حال سے تعاون
173	5..... صبر و استقامت اور نماز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

کسی بھی انسان سے گناہ کا ارتکاب ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ انسان کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جس سے غلطیاں، کوتاہیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں لیکن ان گناہوں اور غلطیوں کو گناہ ہی نہ سمجھنا یا گناہوں کا ارتکاب کر کے اس پر اترانا، فخر کرنا اور توبہ نہ کرنا دینِ فطرت کی میزان میں انتہائی قبیح حرکت اور توہینِ آمیز جسارت ہے۔

قیامت کے روز انسان کے اعمالِ حسنة (نیکیوں) کے ساتھ اس کے تمام اعمالِ سیئہ (گناہوں) کو بھی اس طرح رکھ دیا جائے گا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے ان گناہوں کو فوراً پہچان لے گا بلکہ ان سے انکار بھی اس کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا کیونکہ اس کے جسم کے وہ اعضاء جن سے وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا، وہ بھی قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں اس کے گناہوں پر شہادت دیں گے۔ اور اس وقت گنہگار انسان خود ہی یہ فیصلہ کر لے گا کہ ہاں میں مجرم ہوں.....! اللہ کا مجرم ہوں.....! مجھے سزا ملنی چاہیے.....!!

لیکن دوسری طرف وہ غفورِ رحیم ذات ہے جو چاہے تو اپنے نافرمان اور مجرم بندے کی ہر غلطی، گناہ اور نافرمانی کو معاف کر کے اسے سیدھا اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمادے اور چاہے تو گناہوں کے بقدر سزا دینے کے بعد جنت میں جگہ عطا کر دے۔ انسان کے گناہ آسمان کے تاروں برابر ہوں یا سمندر کی جھاگ، ریت کے ذرات اور زمین کی مخلوقات برابر، اللہ کی بارگاہ میں یہ سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں یا ان کے بدلہ میں بطلوہ سزا جہنم میں کچھ عرصہ کے لیے داخل کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ سارے گناہ انسان کو جنت سے ابدی طور پر محروم نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک گناہ ایسا ہے کہ اس کا ارتکاب اگر ہو جائے اور مرنے سے پہلے اس سے توبہ کی توفیق نہ مل سکے تو انسان خواہ کتنا ہی تہجد گزار عابد کیوں نہ ہو.....، کتنا ہی عالم، سخی اور مجاہد فی سبیل اللہ کیوں نہ ہو..... اللہ کی بارگاہ میں اس کی معافی کسی صورت ممکن نہیں، جنت میں اس کے داخلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی طور پر پابندی لگ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم اور جہنم کا مستحق قرار

دے دیا جاتا ہے۔ یہ گناہ وہ ہے جسے قرآن مجید نے 'شُرک' قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ إِلَهًا لَّا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [سورۃ النساء: ۱۱۶]

”یقیناً اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں وہ (اللہ) شرک کے علاوہ گناہ، جس کے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

اگر انسان اس شرک سے محفوظ رہا یا شرک کا ارتکاب ہو جانے کے بعد اس نے مرنے سے پہلے سچی توبہ کر لی اور شرک کے مقابلہ میں اللہ کی وحدانیت (عقیدہ توحید) پر کاربند ہو گیا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہا تو ایسا شخص کسی صورت بھی جنت سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ اس کا عقیدہ ٹھیک رہا اور وہ عقیدہ توحید پر جیا اور توحید ہی پر مہرا ہے اور اس نے شرک سے اپنے دامن کو محفوظ کر لیا۔

شرک کیا ہے اور انسان شرک سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ توحید کیا ہے اور انسان توحید کو کس طرح اپنا سکتا ہے؟ عقیدہ کی درستگی کیا ہے اور انسان اپنے عقیدے کو کس طرح درست رکھ سکتا ہے؟ یہ سوالات نہایت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ انسان کی اخروی اور حقیقی کامیابی کے بارے میں ہیں اور کسی انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی بات اہم ہو سکتی ہے کہ اس کی اخروی نجات کی شاہ کلید اس کے ہاتھ آجائے۔

زیر نظر کتاب دراصل انہی سوالات کے جوابات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں نہایت سادہ اور عام فہم اسلوب کے ساتھ مسئلہ توحید سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور کسی شخص، گروہ یا جماعت پر کفر و شرک کے فتوے لگانے کی بجائے براہ راست قرآن مجید کی روشنی میں اصل صورتحال کو پیش کر دیا گیا ہے اور جہاں تقابلی محسوس ہوئی وہاں بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور بخاری و مسلم کی مستند احادیث پڑھ لینے کے بعد معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن و سنت کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرتا ہے تو یہ اس کے لیے سعادت کی بات ہے اور اگر وہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تو یہ خود اس کی اپنی بدبختی ہے، کسی اور کا وہ کوئی نقصان نہیں کرتا.....!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے، ہمارے عقائد کی اصلاح فرمائے اور اس کتاب کو راقم الحروف سمیت

دوسرے لوگوں کے لیے بھی ذریعہ نجات بنا دے۔ آمین!

مصنف کی تحقیقی و اصلاحی تین کتابیں

انسان اور رہبر انسانیت [عقیدہ رسالت اور اتباع سنت کا بیان]

یہ کتاب عقیدہ رسالت اور اتباع سنت کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم میں سے ہر شخص کا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہونا چاہیے؛ ایک تو یہ کہ ہم آپ پر صدقہ دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم آپ سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کریں اور تیسرا یہ کہ ہم ہر ممکنہ حد تک آپ کی اطاعت کریں۔ اس کتاب میں سنت و رسالت سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے نہایت عام فہم اسلوب میں حضور نبی کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انسان اور جادو جنات [جادو جنات کے توڑ اور روحانی علاج معالجہ کا بیان]

اس کتاب میں جادو جنات کی حقیقت، جادو کرنے کروانے، سیکھنے سکھانے اور جادو گروں اور جنات سے مدد حاصل کرنے کی شرعی حیثیت اور جادو، جنات کا توڑ قرآن و سنت اور عملی تجربات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ نیز مختلف بیماریوں کا روحانی علاج بھی مستند دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب!

انسان اور کالے پیلے علوم [عقائد کی خرابی کا باعث بننے والے علوم کا بیان]

اس کتاب میں دست شناسی، چہرہ شناسی، قیافہ شناسی، علم رمل، جفر، اعداد، فال، لائٹری، کہانت، ہینٹا نزم، مسمریزم، وغیرہ جیسے ان تمام علوم کا قرآن و سنت کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے جن کے ذریعے غیب دانی کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور جو اسلامی عقائد میں خرابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر اولین مستند کتاب!.....

صاحب تصنیف ایک نظر میں

- نام : حافظ ہشتر حسین
- تاریخ پیدائش : 1978-01-21 [لاہور]
- دینی تعلیم : [دیوبندی، بریلوی اور الحمدیٹ تینوں کتب فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ]
- 1989-90 حفظ القرآن
- 1991-92 تجوید و قرأت، ترجمہ قرآن، عربی گرامر
- 1992-99 درس نظامی + وفاق المدارس [الشہادۃ العالمیۃ] ممتاز درجہ میں
- عصری تعلیم :
- 1996 میٹرک [فرسٹ ڈویژن]
- 1999 ایف۔ اے [فرسٹ ڈویژن]
- 2001 بی۔ اے [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
- 2004 ایم۔ اے [اسلامیات، اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
- 2004 پی ایچ ڈی [فقہ اسلامی، پنجاب یونیورسٹی، ریسرچ ورک جاری ہے]
- تدریسی و تحقیقی ذمہ داریاں :
- 1999-2000 جامعہ الدعوة الاسلامیۃ مریدکے، لاہور
- 2000 جامعہ الدراسات الاسلامیۃ، کراچی
- 2001-2004 اسلامک ریسرچ کونسل، ماہنامہ محدث، لاہور
- 2004-2005 پریسٹن یونیورسٹی، لاہور کیمپس
- تصنیف، و تالیف :
- 1- تقریباً 50 تحقیقی مضامین [فکر و نظر، دعوت، محدث، ترجمان القرآن، ایشیا وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں]
 - 2- 20 کتابیں شائع ہو چکی ہیں [مزید زیر طبع و زیر تالیف ہیں]
 - 3- نیز مختلف کتابوں کے تراجم و حواشی، تجزیہ و تحقیق وغیرہ۔
 - 4- مختلف دینی رسائل و جرائد سے قلمی تعاون، علمی و ادارتی مشاورت۔

تقریظ

از قلم..... حافظ محمد ادریس حفظہ اللہ

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور

حافظ مشر حسین ایک نوجوان عالم اور ہونہار قلم کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت تھوڑی عمر میں علم کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا ہو کر قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے خود کو سیراب کرتے اور پھر اس فیضانِ علم کو عام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلم میں روانی اور ان کی زبان میں سلاست ہے۔ گہرے مطالعے کے نتیجے میں وہ اپنی ہر بات مستند حوالوں سے مزین کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں عبارت پوری ثقاہت کے ساتھ سینہ قرطاس پر جھلکانے لگتی ہے۔ موصوف پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراحل کی تکمیل کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی موضوعات پر ان کی کئی تحقیقی کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب اللہ اور انسان توحید باری تعالیٰ کے حوالے سے بہت مفید کاوش ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع تعارف پیش کیا ہے جو اس کی تمام صفات عالیہ اور اسائے حسنیٰ کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتا ہے بلکہ بندہ نمومن کے دل و دماغ کو بھی ایک عشق صادق سے سرشار کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے کہ جس سے اسے اپنے رب کی رضا اور اخروی کامیابی حاصل ہو جائے، لائق مصنف نے اسے بھی قرآن و سنت کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر دیا ہے۔ مختلف نظریاتِ باطلہ کا مناسب محاکمہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

دورِ جدید میں انسان بہت مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں کہ اپنی ذات اور ذاتی دلچسپیوں سے ہٹ کر کسی سنجیدہ موضوع پر سوچ و بہار کر سکے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مادی تیشات اور وسائلِ لہو و لعب جس قدر بھی ہاتھ آتے چلے جائیں، انسان خود کو سکون سے محروم پاتا ہے جب تک کہ اسے روحانی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ مل جائے۔ اگرچہ روحانی تسکین کے لیے لوگوں نے بہت۔۔۔ خود ساختہ طریقے جاری کر رکھے ہیں، مگر روحانیت کا صحیح اسلامی تصور کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بخوبی میاں ہو جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع و عریض افق کی حامل ہے مگر اپنے حجم کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اندازِ تحریر سلجھا ہوا ہے اور عنوانات سلیقے سے منتخب کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی دل چسپی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ مؤلف کی یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح قبول عام حاصل کرے، آمین!

عقیدہ توحید..... نجات کی شاہ کلید!

از قلم: پروفیسر عبدالجبار شاہ صاحب حفظہ اللہ
ڈائریکٹر: بیت الحکمت، لاہور پاکستان

قرطاسِ عالم پر پھیلی ہوئی ذریتِ آدم عقائد و افکار کے اعتبار سے مختلف تصورات کی حامل ہے۔ بنی نوع انسان ہمیشہ فکری لحاظ سے دو گروہوں میں منقسم رہی ہے: ان میں سے ایک توحی الہی اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی ہدایت کے تابع نظر آتا ہے جبکہ دوسرا فریق متعدد مذاہب کی شکل میں خود ساختہ افکار و نظریات اور آداب و مزعمومات کے طلسم بیچ مقداری میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ یوں افکار و تصورات کے موضوع پر سب سے پہلا علمی نزاع اور علمی اختلاف وجود باری تعالیٰ کے تصور کے حوالے سے موجود رہا ہے۔ اس تصور کی توضیح و تنقیح کے سلسلہ میں ائمہ دین اور فلاسفہ و متکلمین کے درمیان شروع سے اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ فکر و نظر کے اسی اختلاف کی اساس پر باقی علمی مناقشات نے جنم لیا ہے۔ یہ وہ علمی رزم گاہ ہے جس میں صدیوں سے فریقین اپنے استدلال و براہین کے انبار جمع کر رہے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ اس موضوع پر مسلمانوں کا استدلال الہامی ہونے کے ساتھ ساتھ منطقی، عقلی اور سائنسی وجوہ سے بھی بیان کیا گیا ہے۔

پیش نظر تحقیقی کتاب کے جو ان فکر مؤلف حافظ موثر حسین نے عقیدہ و کلام کے اس موضوع پر ”اللہ اور انسان“ کے حوالے سے ایک فکر انگیز اور اطمینان بخش بحث کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اسلامی استدلال کی وضاحت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب و ادیان کے دلائل کا بھی عقلی اور کلامی جائزہ پیش کیا ہے۔ یوں اس تقابلی مطالعے نے اس موضوع میں ایک علمی شان اور تخلیقی اوج پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی صنعت کے شاہکار انسان کے حوالے سے اس کتاب میں جو مفید بحث پیش کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر تین اجزا پر مشتمل ہے۔ اولاً: یہ کہ اسلام کا تصور لایا گیا ہے۔ ثانیاً: یہ کہ خود حضرت انسان کی آفرینش کا مقصد کیا ہے؟ ثالثاً: یہ کہ اللہ اور انسان کے درمیان تعلق اور رابطے کی نوعیت کیا ہے؟ یہ تمام تر کتاب انہی تین مباحث اور اس کے ضمنی اور ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے۔

تاریخِ عالم کے مختلف مراحل میں انسانیت اگرچہ مختلف مذاہب اور فرقوں میں منقسم رہی ہے مگر وہ کسی نادیدہ خالق، خدا اور اللہ کے تصور سے یکسر غافل نہیں رہی۔ ہر مذہب میں اس ذات باری تعالیٰ کا تصور ان کے

مخصوص عقائد کے مطابق مختلف رہا ہے مگر اسلام اور اس کی پہلی حکم اساس قرآن مجید میں اس ذات کے تعارف اور شناسائی کے مختلف مراحل میں ایک ایسی رہنمائی ملتی ہے جس کے مطالعے سے ذہنوں کو جلا اور دلوں کو کشودنضیب ہوتی ہے۔ ہمارے چاروں جانب ایک وسیع اور عظیم کائنات پھیلی ہوئی ہے اس ہمہ جہت فطرت کے ماحول میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں۔ ان اسرار فطرت کے بارے میں صحیح اطلاعات بھی خالق فطرت ہی جان سکتا ہے۔ وہ اس عالم اسباب کا تنها خالق ہے اور اسی کے باعث اس کائنات میں ایک نظم، ایک تدبیر اور ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کائنات جو اپنے خالق کی حکمتوں کا نمونہ اور نقشہ ہے اگر اس کے ایک سے زیادہ خالق ہوتے تو ہمہ وقت ایک ایسے مقام کا منظر سامنے آتا کہ جس سے نہ تو کسی ذی روح کے اس نقشہ عالم پر موجود ہونے یا رہنے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے اور نہ ہی اس کائنات کے مختلف اجزاء وہ سہولیات اور ثمرات فراہم کر سکتے جن کے باعث مختلف نوعیت کی مخلوقات اپنی ضروریات کے لیے ہمہ وقت لوازم حیات کو موجود پاتی ہیں اور اپنے خالق کی ربوبیت عامہ سے مستفید ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں اس وحدت میں مربوط کائنات کے مختلف اجزاء کا بہت عمدہ تعارف ملتا ہے اور حضرت انسان کو اس میں سفر کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے اس کائنات کے خالق حقیقی کا صحیح شعور حاصل کر سکے۔ یوں تو کئی ایک سائنسدانوں نے بھی اس کائنات کے مشاہدے اور مطالعے میں بڑے اعتماد و توجہ سے کام لیا ہے مگر ان کے مطالعے اور مشاہدے میں ایک بنیادی نقص یہ واقع رہا کہ وہ اس کائنات کو کلیت میں دیکھنے کی بجائے اجزاء کے مشاہدے میں مصروف عمل رہے۔ اسی باعث وہ اشیاء کے مشاہدے اور ماہیت کو جاننے کے باوجود خالق اشیاء کی معرفت حاصل نہ کر سکے۔ یہ سائنسدان تسخیر کائنات کے سفر پر توروانہ ہوتے ہیں مگر مقاصد کائنات کو پورا نہیں کر پاتے کیونکہ یہ تصور اللہ کی حقیقی معرفت سے آشنا نہیں ہوتے اور اگر اس سفر میں انہیں حقیقت کبریٰ کی معرفت میسر آ جائے تو ان سے بہتر کوئی مومن اور مسلم نہیں ہو سکتا۔

کائنات کے ہر حصے میں خالق کائنات کی حکمتوں کے دفتر کھلے پڑے ہیں جن کی جس قدر سیر کی جائی اسی قدر اس کے جمال تخلیق کے راز سے آگاہی اور شناسائی ملتی ہے۔ اس کائنات کا سب سے بڑا شاہکار خود انسان ہے جو کسی نظریہ ارتقاء کا مہم ہون منت ہونے کی بجائے خالق اکبر کے دست ہنر کا معجز نما اظہار ہے۔ وہ ایک نَسْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ، بدبودار اور لیس دار مادے سے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي

أَحْسَنِ تَقْوِيمِ کی مجسم تصویر ہے۔ اسے مادی وجود کے علاوہ عقلی اور حسی تو تیس بھی عطا کی گئی ہیں جن کے باعث وہ اجزائے کائنات کا اسیروں اور فنجیروں کی بجائے ان پر حکمران رہتا ہے، انہیں اپنے دست تصرف میں لاتا اور اس کے بے حد و حساب منافع سے استفادہ کرتا ہے۔ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم کے ساتھ وجدان و وحی کے وسائل سے بھی نوازا ہے۔ عقل کا یہ چراغ، وحی الہی سے مستفید ہو کر حقیقی معرفت حاصل کرتا ہے اور اجزائے آفرینش میں کار فرما مُنْتَهُ اللہ کا ادراک کرتا ہے۔

وحی الہی کے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی انسانوں کو محض روبوٹ کی حیثیت سے محدود کر دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے ”بال جبریل“ کی ایک نظم میں یوں پیش کیا ہے:

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

وہ قوم کے فیضانِ سادی سے ہو محروم حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

فیضانِ سادی یا وحی الہی کے بغیر سائنسی ایجادات اور اختراعات تو ممکن ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصور کو جانے بغیر ایمانی، اخلاقی اور روحانی زندگی کے امکانات کو بروئے کار نہیں لایا جاسکتا۔ بلکہ اس راستے میں انسان پہلے تو خود فراموشی کا سبق سیکھتا ہے، پھر یہ خود فراموشی اسے خدا فراموشی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے اور خدا فراموشی کی وجہ سے انسان کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی دلدل میں گر کر اپنی زندگی کو ہلاکت و ضلالت سے دوچار کر لیتا ہے۔

”اللہ اور انسان“ کے عنوان سے اس فکر انگیز اور ایمان افروز کتاب کے مصنف نے اپنی اس علمی کاوش کا آغاز ہی تصور الہ کی وضاحت سے کیا ہے اور بڑی عمدگی سے مختلف مذاہب و ادیان میں اس تصور کے بارے میں جو افراط و تفریط کے مراحل ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے اسلام کے نقطہ مستقیم اور تصورِ خالص کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہود نے عزیز اور عیسائیوں نے مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تصور الہ کی نفی کر دی۔ فاضل مصنف نے اس سلسلے میں قرآنی وضاحتوں کے ساتھ تورات اور بائبل کے نقطہ نظر کو بھی پیش کیا ہے۔ غیر آسمانی مذاہب میں سے ہندومت میں تصور الہ ”تری مورتی“، یعنی تین مختلف اشکال: براہمن، وشنو، اور مہادیو کی صورت میں ملتا ہے۔ اگر ہندی علم الاضام (Mythology) کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ہر ضرورت اور خوف نے ایک قابل پرستش دیوتا کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ بدھ مت میں وحدت الوجودی تصور کے باعث خود گوتم بدھ ہی خدائی تصورات میں شریک

دکھائی دیتا ہے جبکہ اس کے پیروکاروں نے اس کی مختلف حالتوں کے ہزاروں مجسمے بنا کر اس کی تعلیم کی حقیقی روح کو مسخ کر ڈالا۔ قدیم چینوں کی مذہبی روایات جو کنفیوشس اور تاؤ کی تعلیمات میں ملتی ہیں، ان میں بھی دیوتاؤں اور دیویوں کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ ایران کے قدیم مذہب جس میں زرتشت کو ایک پیغمبر مان کر اس کے مذہبی افکار کو ’اوستا‘ نامی [مذہبی] کتاب میں محفوظ کیا گیا ہے، اس میں بھی نیکی اور بدی کے دو خدا، یزداں اور اہرمن کے ناموں سے ملتے ہیں۔

یوں دنیا تصور اللہ کے بارے میں ہمیشہ سے گمراہی کا شکار رہی ہے۔ اس تصور اللہ کا سب سے صحیح رُخ تو محض انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ انسانیت نے خود انبیاء کی تعلیمات کو بھی مسخ کر دیا، ان کی ہدایات کی کتابوں میں تحریف کر دی اور اب قرآن مجید ہی تصور اللہ کی صحیح تشریح اور درست وضاحت کا حقیقی ماخذ اور سرچشمہ ہے جس سے فاضل مصنف نے بڑی عمدگی سے استدلال پیش کیا ہے مگر انفسوں کے مسلمانوں کے ہاں بھی ویدانت اور عجمی فلسفہ کی آمیزش سے اس تصور اللہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حوالے سے جو گمراہ کن نظریات ہمہ اوست اور ہمہ اُز اوست کی تعبیر کے ساتھ ہمارے ہاں بعض فرقوں میں رواج پائے گئے ہیں، ان کا قرآنی تصور اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر حلول و اتحاد کے عنوان سے جو خدائی تضحیک کا سامان ہم نے پیدا کیا ہے، اس کا اسلام میں کوئی جواز موجود نہیں۔ اس دردناک داستان کی نقاب کشائی فاضل مصنف کی تصنیف کا سب سے اہم قابل مطالعہ حصہ ہے۔

اس فکر انگیز کتاب کا دوسرا باب انسانی تخلیق کے بارے میں اسلامی اور سائنسی فکر کے موازنے کو پیش کرتا ہے۔ مصنف نے بڑی عمدگی سے نظریہ ارتقاء بالخصوص ڈارون کی فکر کا علمی تجزیہ کیا ہے اور خود سائنس دانوں اور حکماء کے اس نظریہ سے اختلاف کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان مفکرین کے اس طبقے کا بھی علمی اور تحقیقی تعاقب کیا گیا ہے جو نظریہ ارتقاء کے مؤیدین سمجھے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخری باب میں اللہ تعالیٰ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے اور اس ضمن میں خالق و مخلوق، عابد و معبود اور محتاج و مخنی کے حوالے سے ایک بندہ مسلم کے اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح تعلق کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے یہ تینوں ابواب حقیقت میں تصور توحید ہی کی تشریح و تنہیم سے متعلق ہیں کہ جس کو اگر کتاب و سنت کے تناظر میں نہ سمجھا جائے تو انسان شرک و معصیت

کی ایک ایسی دلدل میں گر جاتا ہے کہ اس کی نام نہاد محبت و عقیدت کے سارے پیمانے جھٹا اعمال اور خسرانِ مہین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے اس مقصد کے اعتبار سے یہ تصنیف ایک کامیاب علمی کوشش ہے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف حافظ مبشر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ قدیم و جدید علوم سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ اسلامی علوم و فنون کے شناور ہیں تو دوسری طرف انہوں نے جدید علوم کے حصول میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ قدیم علوم کے سلسلے میں اگر انہوں نے مدارسِ دیدیہ سے استفادے کی راہیں ہموار کیں، تو جدید علوم کے حوالے سے وہ اب جامعہ پنجاب میں پی ایچ ڈی کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ ملک کے علمی اور تحقیقی جرائد و رسائل میں ان کے رشحاتِ فکر کثرت سے شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض رسمی موضوعات پر قلم اٹھانے کی بجائے سنجیدہ اور علمی عنوانات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ ان کی ایک درجن سے زائد علمی تصانیف پر اتر نظر ڈالی جائے تو یہ سب ان کی علمی قد و قامت کی بلندی پر شاہد و عادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک علمی اسلوب کا حامل بنایا ہے۔ ان کے اسلوب میں ایک عالمانہ وقار اور تحقیقی روح شامل ہے۔ ایک مترجم کی حیثیت سے انہیں عربی زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ وہ جدید تحقیق کے مزاج، اسلوب اور تقاضوں سے کما حقہ آگاہ ہیں جس کی بنا پر ان کی تحریریں مناسب حوالوں اور تخریج و تحقیق کے ساتھ آراستہ ہیں۔ وہ حواشی اور تعلیقات کے فن سے بھی باخبر ہیں۔ دورِ جدید میں ایسے صاحبانِ علم اور اربابِ تحقیق کی اشد ضرورت ہے کہ جو ایک طرف کتاب و سنت کے چشمہٴ صافی سے سیراب ہوں تو دوسری طرف جدید علوم کے مآخذ اور مراجع سے بھی شناسائی رکھتے ہوں۔ دورِ جدید کی اس جدید تر کروٹ میں فکر و نظر کی صحیح رہنمائی کے لیے جس اندازِ فکر سے اسلوب نگارش کی ضرورت ہے، عزیزم اس سے بخوبی آراستہ ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہٴ مسلم کو علم و فضل کی مزید دولت سے فیض یاب کریں گے اور ان کے اسلوب کو مزید ایسی توانائی عطا کریں گے کہ جس سے امتِ مسلمہ کی بیداری کی موجودہ لہر میں ان کا قلم اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ ان کا عقوانِ شبابِ علم و تقویٰ سے عبارت ہے۔ ہم ان کے پر عزم اور روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہیں، حق تعالیٰ انہیں جسم و جان اور علم و عمل کی بہترین قوتیں عطا کرے اور ان کے ان علمی اور تحقیقی کاموں کو علامتہٴ المسلمین کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین!

بَابُ أَوَّلُ

اللہ تعالیٰ..... ایک تعارف

اس باب میں اللہ تعالیٰ کے وجود و تعارف کے حوالے سے چند فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات چند عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں تصورِ الہ کے بارے میں مختلف آدیان و مذاہب کے نقطہ ہائے نظر کو بالا اختصار بیان کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں اسلام کا تصورِ الہ قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ پانچویں فصل میں اللہ تعالیٰ کے بارے پائے جانے والے چند گمراہانہ عقائد و نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا بطلان واضح کیا گیا ہے۔ چھٹی فصل میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے کچھ ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

.....

کیا اللہ تخلیق موجود نہیں؟

انسان اپنی تاریخ کے ہر دور میں یہ سوچتا رہا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ کیسے اور کیوں پیدا ہوا ہے؟ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ جس کائنات میں وہ زندگی گزارتا ہے اسے کس نے بنایا ہے؟ جس زمین پر وہ چلتا، جس آسمان کے نیچے وہ سانس لیتا، جن وادیوں، پہاڑوں، میدانوں اور پانیوں سے وہ گزارتا اور جن وسائل کو وہ کام میں لاتا ہے، ان سب چیزوں کو کس نے بنایا ہے؟ کیا یہ چیزیں ہمیشہ سے اسی طرح ہیں یا کسی خاص زمانے میں ان کی ابتدا ہوئی تھی؟ اگر کسی خاص وقت میں ان کی ابتدا ہوئی تھی تو آیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا، یا کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت ایسا کیا گیا تھا؟؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی تاریخ کے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہر دور کے دانشور و مفکرین، فلاسفہ و متکلمین اور انبیائے مرسلین ان کے جواب دیتے رہے۔ ان میں سے بعض سوالات تو وہ ہیں جن کا تعلق ہمارے عالم محسوسات سے نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنی عقل و مشاہدہ کی بنیاد پر ان سب کا سو فیصد درست جواب ہرگز نہیں دے سکتا، بلکہ ان کا جواب دینے میں انسانی عقل غلطی کا بھی پورا امکان رکھتی ہے جبکہ کوئی فوت شدہ انسان بھی واپس اس دنیا میں آ کر ہمیں اگلے جہان کی چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ اگر ان کے جوابات آسمانی وحی کی روشنی میں تلاش کیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے سو فیصد درست جواب ہمیں ملیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کائنات میں اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی رہنمائی بھی ہمیں حاصل ہوگی۔ آئندہ سطور میں عقل اور وحی الہی کی روشنی میں ان سوالات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

بابات کون آگاتا ہے؟

انسان زمین میں چھوٹا سا بیج ڈالتا ہے اور ایک خاص مدت کے بعد اسی بیج سے پودا نکلتا ہے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے تناؤ اور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک کسان زمین میں گندم کے دانے ڈالتا ہے اور کچھ عرصہ بعد اس سے پودے نکلتے ہیں جو چند ماہ میں بہلہاتی فصل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ وہ مثال ہے جس کا مشاہدہ ہم آئے روز کرتے ہیں لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا ہے کہ آخر ایک بیج اور دانے سے پودا کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ پھر وہ پودا بڑھتے بڑھتے فصل یا درخت کی شکل کیونکر اختیار کر لیتا ہے؟ پھر اس پر مزید اربھل اور خوشبودار پھول کیسے آگے آتے ہیں؟

اگر تو کوئی انسان یہ کہے کہ زمین کی قوت، پانی کی طاقت، سورج کی حرارت، ہوائی گیسوں (آکسیجن، کاربن، نائٹروجن وغیرہ) کا عمل اور خود کسان کی محنت سے یہ سب کچھ وجود میں آتا ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کو اُگانے کی قوت آخر کس نے دی ہے؟ پانی، نمی، حرارت، گرمی اور ہوا وغیرہ میں اُگانے کی خصوصیات کس نے رکھی ہیں؟ پھر ان تمام چیزوں میں وہ توازن کس نے پیدا کر دیا جو فصلوں کی پیداوار کے لیے ضروری ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پانی، ہوا اور حرارت کو کس نے وجود بخشا ہے؟ پانی اگر چند گیسوں (ہائیڈروجن اور نائٹروجن) سے مل کر بنتا ہے تو ان گیسوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ حرارت اگر سورج سے پیدا ہوتی ہے تو خود سورج کو کس نے پیدا کیا ہے.....؟؟

اگر ہم ہوا، پانی اور حرارت کا وجود تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انہیں وجود عطا کرنے والا بھی کوئی ہے اور یہ ساری چیزیں ہر لحاظ سے اس کے کنٹرول میں ہیں کیونکہ ہم بار بار یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کسان کے ہل چلانے، گوڈی کرنے، بیج ڈالنے، پانی دینے اور رکھوالی کرنے کے باوجود زمین فصل اُگانے سے انکار کر دیتی ہے یا ہوا اپنے توازن و اعتدال سے ہٹ کر طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے یا پانی سیلاب بن کر بہہ پڑتا ہے اور کھڑی ہوئی فصلیں تباہ اور پھلوں کی نوید سنانے والے باغات ویران ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی قطعہ ارضی پر ایک کی فصل اُگتی اور خوب اُگتی ہے جبکہ دوسرے کی فصل پودے بھی نکال نہیں پاتی، ایک ہی وقت پر آنے والا طوفان ایک کے کھیت کھلیان اور باغ کو ایسا تباہ کرتا ہے کہ ایک بھی پھلدار درخت باقی نہیں بچتا جبکہ ساتھ ہی موجود دوسرے کا نہ کھیت اجڑتا ہے اور نہ پھل ضائع ہوتا ہے۔

یہ سب اس بات کے اشارات ہیں کہ ایسا اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ کسی طے شدہ منصوبے کے تحت ہوتا ہے۔ عقلمند انسان تو بہت جلد سمجھ لیتا ہے کہ کوئی ذات اور ہستی ایسی ضرور ہے جو چاہے تو ہوا، پانی، حرارت وغیرہ میں توازن پیدا کر کے نباتات اُگادے اور قطعہ ارضی کو پھلوں اور پھولوں سے بھر دے اور چاہے تو ان اشیاء کا توازن خراب کر کے ہوا کو طوفان، پانی کو سیلاب، حرارت کو آگ اور زری زمین کو بخر و بے آب و گیاہ

بنادے۔ چنانچہ وہ بالآخر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ یہ پاؤں، ہوا، روشنی وغیرہ جس ہستی کے کنٹرول میں ہیں، میں ایسی ہستی کو اپنا محبوب بنا لوں اور اسی کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ ممکن ہے، وہ کرگزروں۔

یقین کیجئے عقل و منطق کی عدالت میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ یہ سب اشیاء تو کسی بلند و بالا آقا کی غلام و خدام ہیں جبکہ آقا اور غلام کے مقابلہ میں غلام کو نہیں بلکہ آقا کو راضی کیا جاتا ہے مگر بے وقوف ہے وہ شخص جو آقا کو چھوڑ کر غلام کو راضی کرنے لگے..... جو ہوا، روشنی اور پانی کے خالق کو چھوڑ کر خود انہی چیزوں کو بلند و بالا سمجھ لے اور ان کے آگے سجدہ ریز ہو جائے.....!

اس سلسلہ میں قرآن مجید بھی عقلمندوں کے فیصلے کی تائید کرتا اور یہ پیغام دیتا ہے کہ ہوا، پانی اور روشنی وغیرہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، زمین سے نباتات اُگاتا ہے اور ہوا، روشنی اور نمی میں توازن پیدا کرتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک ہی چیز کو اُتر وہ روک لے یا اس کا توازن بگاڑ دے تو ساری دنیا کے کسان بل کر ایک دانہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَا صَبَّبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَنَاتَبْنَا فِيهَا خَبًّا وَوَعَيْنَا وُقُوعًا وَرَزَقْنَاهَا وَاغْلَا وَفَاكِهِتْ وَآبَا مَنَّا عَالِمُكُمْ وَلَا نَعْمَا لَكُمْ ﴿عَبَسَ ۙ ۓ﴾ [۳۲ تا ۲۴]

”انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے کہ ہم نے خوب پانی برسایا پھر پھاڑا زمین کو اچھی طرح۔ پھر اس میں سے اناج اُگائے اور انکو اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغات اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی اُگایا) تمہارے استعمال و فائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔“

﴿ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ إِنَّا لَمَحْرُومُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجْحَامًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿الواقعة ۶۳: ۷۰﴾

”اچھا پھر یہ بھی بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اسے تم ہی اُگاتے ہو یا ہم اُگائے والے ہیں؟! اُتر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہماری مرضی ہو تو ہم اسے کڑوا کر برکھریں۔ پھر تم ہماری شکرگزاری کیوں نہیں کرتے!“

جمادات اور کائنات کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اگر انسان احمق نہ ہو بلکہ صاحب شعور ہو تو وہ لازماً یہ بات کہے گا کہ دکان، مکان، پلازہ اور محل بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا۔ مین، گھڑی، سوچ، ریڈیو، کمپیوٹر، سی ڈی، کیسٹ، ٹیپ، فون، موبائل فون، فیکس، ٹی وی، بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتے۔ چادر، کپڑا، (لباس) کمبل، قالین، بستر، ہکی، بچھونا، چارپائی، پلنگ، بیڈ، صوف، کرسی، میز بغیر کسی تیار کرنے والے کے خود بخود تیار نہیں ہو سکتے۔ راکٹ، میزائل، چاند گاڑیاں، ایٹم بم، ریڈار، طیارے، بارود، کیمیائی مادے وغیرہ بغیر محنت و کاوش کے نہیں بن سکتے۔

دیوید ہیکل بحری اور ہوائی جہاز، آبدوزیں اور بسیں یا ان سے بھی بڑی بڑی اشیا خود بخود وجود میں نہیں آتیں اور نہ ہی چھوٹے چھوٹے کیل، کانٹے اور سونیاں یا ان سے بھی چھوٹی چھوٹی چیزیں اتفاقاً بن جاتی ہیں بلکہ ان سب اشیا کے پیچھے ایک نہیں سینکڑوں دماغوں کی ذہانت اور ہزاروں افراد کی محنت شامل ہوتی ہے۔ بلاغور و فکر اور بغیر محنت و کوشش کے آج تک نہ کوئی منفید چیز خود بنی ہے اور نہ ہی کوئی مضمر چیز بغیر منصوبے کے خود ہی اتفاقاً وجود میں آتی دیکھی گئی ہے۔ کچھ یہی صورتحال کائنات کی ہے۔

اس کائنات میں زمین ایک بچھونا ہے۔ چھوٹے سے بچے کا بچھونا اگر ماں باپ نہ بنائیں تو وہ خود بخود نہیں بن جاتا، پھر اتنا بڑا بچھونا آ خر خود بخود کیسے بن سکتا ہے؟ آسمان اس زمین پر چھت ہے اور وہ بھی ایک عجوبے کی حیثیت سے۔ کیونکہ یہ ایسی چھت ہے جس کے نیچے کوئی سہارا، کوئی ستون موجود نہیں ہے۔ پوری بنجیدگی سے غور کیجیے کہ آخر اتنی بڑی چھت اور وہ بھی بغیر سہارے کے کیسے بن گئی اور پھر پوری امانت داری سے فیصلہ کیجیے کہ اس کا بنانے والا کیا ہم انسانوں سے بڑھ کر طاقت و اقتدار کا مالک نہیں؟

اسی آسمان میں سورج، چاند اور ستارے ہیں جو روشنی، حرارت، خوبصورتی اور سمت و تاریخ معلوم کرنے کا کام دیتے ہیں۔ غور کیجیے کہ ہمیں اپنی ذات کے لیے روٹی پکانا ہو تو آگ کا انتظام کرنے یا چولہا جلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور رات کے اندھیرے کو اجالے میں بدلنے کے لیے روشنی کا معقول بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بغیر کسی بنانے والے کے نہ چولہا اور تندہر بنتا ہے، نہ آگ جلتی ہے نہ روٹی پکتی ہے اور نہ اندھیرے میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے چولہے، تندہر اور برقی بلب وغیرہ کی مثال ہے۔ اب غور کیجیے کہ اتنا بڑا سورج جو ساری دنیا کی فضا کو پکانے کے لیے حرارت اور بے

شار ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے توانائی مہیا کرتا ہے، یہ اتنے کام کی چیز خود بخود اور وہ بھی اتفاقی اور حادثاتی طور پر آخر کیسے بن سکتی ہے!؟

جس طرح عقلمند آدمی مکان، جہاز، کمپیوٹر، میزائل، گھڑی، گاڑی وغیرہ کو دیکھ کر فوراً یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد ضرور ہے اور بغیر موجد کے یہ اشیا نہیں بن سکتیں اسی طرح صاحبِ شعور انسان وہ ہے جو کائنات اور اس کی اشیا کو دیکھ کر بلا تردد یہ فیصلہ کر لے کہ ان اشیا کو بنانے والا بھی کوئی ہے اور وہ انسانی طاقتوں سے کئی گنا زیادہ طاقتوں کا مالک ہے۔ ان فہم وادراک رکھنے والوں کی تائید قرآن مجید کرتا ہے اور دیگر انسانوں کو بھی آگاہ کرتا ہے کہ یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج، یہ چاند اور ستارے، یہ پہاڑ، دریا، سمندر اور ندی نالے، یہ سب کچھ ایک اللہ ہی نے بنائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ [سورۃ یونس: ۳]

”بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (۶) روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُتَّقُونَ﴾ [سورۃ یونس: ۶۰]

”وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان سب میں ان لوگوں کے لیے دلائل (نشانیوں) ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔“

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سِدَادًا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَامِجًا وَآتَيْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا﴾ [سورۃ النبا: ۱۶ تا ۱۷]

”کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میٹھیں (نہیں بنایا؟) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے اور دن کو ہم نے (وقتِ) روزگار بنایا اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے۔ اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا۔ اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (بھی اگائیں)۔“

انسان اور حیوانات کا خالق کون ہے؟

سائنس دانوں کی تحقیقات کے مطابق انسانوں اور جانوروں کا جسم جن اجزاء سے مل کر بنا ہوا ہے، ان میں فاسفورس، گندھک، لوہا، کولڈ، کیلیم، نمک، کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن گیسوں اور ایسے ہی چند اور معمولی چیزیں شامل ہیں لیکن ان چیزوں کو ملا کر آج تک کوئی سائنس دان ایک جاندار بھی پیدا نہیں کر سکا اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسئَلُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَاسْتَعِذُّوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [سورة الحج: ۷۳، ۷۴]

”اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو، اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے۔ بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس نے خوبصورت انسان اور جاندار مخلوق کو پیدا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [سورة التین: ۴]

”تحقیق ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

وَالْأَفْئِدَةَ لَغَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ السَّمَاءِ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ

إِنْ فِي ذَلِكَ لَكَايِتٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿[سورۃ النحل : ۷۸، ۷۹]﴾

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکرگزاری کرو۔ کیا ان لوگوں نے (ان) پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

کائنات کی کوئی چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہوئی!

گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ کائنات اور اس میں بسنے والی مخلوق سب کی سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اس کائنات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی و اذن کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئی ہو۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ [سورۃ الطور : ۳۵]

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟“

بغیر منتظم کے کوئی نظام نہیں چلتا!

کوئی بھی صاحب عقل کسی شخص کی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ..... ”شہر میں ایک جوتوں کا ایسا کارخانہ ہے جس میں نہ کوئی مالک ہے نہ مزدور۔ نہ کوئی نگران ہے نہ چوکیدار۔ خود بخود وہاں اینٹ، سینٹ اور سر یا پہنچ گیا پھر خود بخود اس کی دیواریں، کمرے اور چھت بن گئی۔ پھر خود بخود اس میں مشینری نصب ہوئی اور اب وہ کارخانہ خود بخود چل رہا ہے۔ خود ہی وہاں خام مال پہنچ جاتا ہے اور خود ہی وہ مشینوں میں حسب مقدار داخل ہوتا ہے اور خود بخود اس سے مطلوبہ چیزیں تیار ہو کر نکلتی اور دکانوں پر فروخت ہو جاتی ہیں اور یہ سلسلہ ساہا سال سے بغیر کسی انقطاع اور خرابی کے چل رہا ہے.....“

اگر جوتے بنانے والے ایک چھوٹے سے کارخانے کے بارے میں کوئی عقلمند یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے تو پھر ارض و سما، شمس و قمر، بحر و بر، جمادات و نباتات اور انسان و حیوانات پر مشتمل اتنا بڑا کارخانہ جسے کائنات کہتے ہیں، کے بارے میں کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے اور اس کا کوئی نگران نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی مدبر و منتظم نہیں ہے۔ اگر دماغ میں

خلل نہ ہو تو انسان کا رخاۂ کائنات کو دیکھ کر فوراً شہادت دے گا کہ اس کائنات کا کائی نہ کوئی مدبر و منتظم ضرور ہے اور وہ مدبر و منتظم کون ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ مدبر اور وہ منتظم اللہ وحدہ لا شریک ہے۔

کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے!

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک مملکت کے دو بادشاہ ہوں اور دونوں کا برابر حکم چلتا ہو اور اس کے ساتھ وہ مملکت بھی نہایت پر امن طور پر چل رہی ہو۔ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی بھی کر رہی ہو بلکہ جہاں ایک بادشاہ کے مقابلے میں کوئی دوسرا بادشاہی کا دعویٰ کرے وہاں فوراً امن تباہ ہو جاتا ہے، اختیارات کی جنگ چھڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مملکت تو تباہ ہوتی ہی ہے مگر اس کے ساتھ دونوں بادشاہوں میں سے یا تو ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے یا پھر دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں اور کوئی تیسرا خود مختار و صاحب اقتدار بن جاتا ہے۔ یا پھر وہ مملکت ہی تقسیم ہو جاتی ہے اور ہر حصے کا بادشاہ اپنے زیر مملکت حصہ میں صرف اپنا نظام چلاتا ہے۔

یہ پوری کائنات بھی ایک وسیع تر مملکت ہے۔ اس مملکت میں ایک جامع وہمہ گیر نظام کام کر رہا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اس نظام کے پابند ہیں اور کبھی اس سے انحراف کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلا ہو یا اس نے طلوع ہونے سے انکار کر دیا ہو یا چاند زمین پہ آگرا ہو، یا ستارے اپنے راستے سے ہٹ گئے ہوں یا نظام فلکی نظام ارضی سے یا نظام ارضی نظام فلکی سے جا ٹکرایا ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے منتظم کے بنائے ہوئے نظام میں انتہائی پابندی اور پر امن طریقے سے چل رہا ہے اور ہمیشہ سے ایسے ہی چلتا آ رہا ہے۔

غور کیجیے اگر ایک چھوٹی سی مملکت میں ایک سے زیادہ بادشاہ کھڑے ہو جائیں تو وہ مملکت تباہ اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے تو اتنی بڑی کائنات میں اگر ایک سے زیادہ منتظم (خدا) ہوتے تو کیا پھر یہ کائنات اس طرح چل سکتی تھی جس طرح اب چل رہی ہے یا اس میں ایک مملکت سے بدرجہا بڑھ کر تباہی و بربادی پیدا ہو جاتی؟

ایک عقلمند اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا اس کائنات میں ہوتے تو پھر اس کا پر امن نظام کسی طرح بھی نہیں چل سکتا تھا اور اس نے ایک رزم گاہ بن جانا تھا۔ آ۔۔۔ نا یہ حکم ہوتا کہ سورج مشرق سے طلوع ہو مگر دوسرے کا فرمان یہ جاری ہوتا کہ مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو۔ ایک نے

کہنا تھا کہ میں آج بارش برساؤں گا، دوسرے نے کہنا تھا میں تو آج آگ برساتا چاہتا ہوں۔ پھر اس کے بعد وہی کچھ ہوتا جس کی ادنیٰ سی جھلک ہولناک آندھی، خونکا طوفان، خوریز جنگ اور تباہ کن حادثہ یا زلزلہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی یہ حقیقت اسی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الانبیاء: ۲۲]

”اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس اللہ رب العرش ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔“

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَا يَتَفَعَّلُونَ إِذَا لَا يَتَفَعَّلُونَ إِذَا لَا يَتَفَعَّلُونَ إِذَا لَا يَتَفَعَّلُونَ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ۴۲، ۴۳]

”کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) یہ کہتے ہیں وہ اللہ اس سے پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے۔“

﴿مَا تَخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَتَّهَبُ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى

بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ [سورة المؤمنون: ۹۱]

”اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی دوسرا معبود اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔“

ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود محال ہے!

اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہونے کا تصور کسی طرح بھی معقول نہیں ہے کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو وہ سبھی یا تو قوت و اقتدار میں برابر ہوتے یا کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے۔ اگر تو سبھی برابر قوت کے مالک ہوتے تو پھر ایک، دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور یوں سبھی اس پہلو سے عاجز ہوتے اور جو خود عاجز ہو وہ بھلا خدا کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے اور اگر کچھ خدا چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے تو یقیناً ہر چھوٹا اپنے بڑے کے مقابلے میں کمتر، مغلوب اور کمزور ہوتا ہے اور یوں سب سے بڑے ایک خدا کے علاوہ باقی تمام میں کمزوری، کمتری اور چھوٹائی کے عیوب پائے جاتے اور جس میں عیب ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا.....!

اسی طرح اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے اختیارات میں مداخلت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر تو ایک، دوسرے کے نظام میں مداخلت کر سکتا ہے اور دوسرا سے روک نہیں سکتا تو پھر دوسرا عاجز ہے اور پہلا خود مختار۔ اور جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایک مداخلت کرے اور دوسرا بھی مقابلہ کرے تو اس کے نتیجے میں کائنات کا نظام چل نہیں سکتا اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سارے باہمی تعاون سے چل رہے ہیں تو اس کا معنی ہے وہ کبھی ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہیں اور جو محتاج ہو وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر خدا کی کائنات الگ ہے تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ کائنات تو ایک ہی ہے اور اگر وہ پراسن طریقے سے چل رہی ہے تو اسے چلانے والا بھی ایک ہی ہے.....!!

اللہ نظر کیوں نہیں آتا.....؟

کسی کتاب میں، میں نے بات پڑھی کہ کسی گاؤں کی چوپال پر ایک دانشور آیا اس نے السلام علیکم کی بجائے ہیلو ہیلو کر کے اپنے ترقی پسند ہونے کا ثبوت دیا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے کہنے لگا کہ لوگو! تمہارے سامنے جو بلند و بالا پہاڑ ہے کیا تم اسے دیکھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اس پہاڑ کے پہلو میں بستے ہوئے دریا کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اس کے کنارے پر قطار در قطار لگے درختوں کو بھی دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ تو وہ بائوسین تان کر بولا: یہ سب چیزیں تمہیں اس لیے دکھائی دے رہی ہیں کیونکہ ان کا وجود ہے لیکن کیا تم نے کبھی اس خدا کو بھی دیکھا ہے جسے تم مانتے اور پوجتے ہو؟

بابو کے اس سوال پر چوپال میں موجود تمام لوگوں پر سنانا چھا گیا۔ پھر اچانک لوگوں کے مجمع میں سے ایک بوڑھا شخص اٹھا اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوا: لوگو! کیا تمہیں یہ بابو دکھائی دے رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس بوڑھے نے کہا: کیا تمہیں اس کی ٹائی، پینٹ، کورٹ، ہاتھ، پاؤں، سر اور آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر وہ بوڑھا بڑے اعتماد سے بولا: اچھا جج بناؤ کیا تمہیں اس کی عقل دکھائی دے رہی ہے؟ سب لوگوں نے کہا: نہیں۔ تو بوڑھے نے سین تان کر کہا کہ اس کی عقل اس لیے دکھائی نہیں دیتی کہ اس میں عقل نہیں ہے۔ بوڑھے کا یہ جواب سن کر وہ بابو بکا بکا رہ گیا اور وہاں سے بھاگ نکلنے ہی میں اس نے اپنی عافیت سمجھی جبکہ چوپال میں موجود دیہاتیوں کے تہقے دور دور تک اس کا پیچھا کرتے رہے.....!

یہ ایک عام فہم مثال ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز اپنا

وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ بے شمار چیزیں وجود رکھتی ہیں مگر وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اور اس کے باوجود ہم ان چیزوں کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جس طرح ہم اپنی عقل، اپنی زور اور انکی ہی بہت سی ان دیکھی چیزوں کے وجود کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں انی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ یقین و اعتماد سے ہمیں اللہ تعالیٰ کے وجود و موجودگی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اثبات نہ صرف یہ کہ وحی الہی سے ہوتا ہے بلکہ عقل و منطق کی میزان بھی مختلف پہلوؤں سے وجود باری تعالیٰ کا اثبات کرتی ہے۔ اس کی تفصیلات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں یہاں ہم صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ موجود ہیں تو پھر انسان سے دور اور اس کی نگاہوں سے اوجھل کیوں ہیں؟

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کیجیے۔

ایک استاد اپنے شاگردوں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ وہ کمرہ امتحان میں شاگردوں کو دیانتداری سے کام کرنے کی تلقین کر کے خود ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ جا کر انہیں دیکھتا رہتا ہے، جہاں سے اس کے شاگرد اسے نہیں دیکھ سکتے۔ استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ وہی شاگرد دیانتداری سے کام کرے گا جو امانت و دیانت کے تقاضے پورے کرنا اپنا فرض اور استاد کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھتا ہے مگر جو اس ذمہ داری کی پروا نہیں کرتا وہ اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کرے گا اور استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی خیانت شروع کر دے گا جبکہ استاد اپنے ہر شاگرد کو دیکھ رہا ہے اور اسے بخوبی معلوم ہے کہ کس نے امانت و دیانت سے پرچہ حل کیا ہے اور کس نے کتنی نقل کی ہے۔ پھر وہ ان کی کارکردگی کے مطابق ہی انہیں نمبر دیتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شاگرد نے سوئسروں کا پرچہ صحیح حل کیا ہے مگر وہ سارا نقل کے ساتھ کیا ہے تو استاد اسے ایک نمبر بھی نہیں دیتا۔ قریب قریب یہی صورتحال اس دنیا کی زندگی کی سمجھ لیجیے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اپنے انبیاء کے ذریعے اس نے اپنی ہدایات بھیج دی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں مگر ہم اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ وہ ہماری تمام حرکات و سکنات سے آگاہ ہے اور ہر لمحہ ہمیں دیکھ رہا ہے کہ کون میری بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کر رہا ہے اور کون اس سے انحراف کر رہا ہے۔ پھر قیامت کے روز وہ ہر ایک کو اس کے انہی اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

جب ہم کائنات کی تخلیق کے حوالے سے یہ غور کرتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزوں کو کس نے پیدا کیا؟ اور اس کا جواب یہ پاتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے“ تو ہمارے ذہن میں نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ساری کائنات کو جس خالق نے پیدا کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بالفرض کسی اور نے پیدا کیا ہے تو پھر اس پر سوال پیدا ہوگا کہ اس ”اور“ ذات کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اس کے جواب میں جس کسی ذات کا نام لیا جائے گا، اس پر پھر سے یہ سوال عائد ہو جائے گا کہ اسے پھر کس نے پیدا کیا ہے؟ اس طرح یہ سوال کا سلسلہ برابر قائم رہے گا۔ حتیٰ کہ کسی نہ کسی ذات پر جا کر ہمیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ فلاں ذات کو کسی نے پیدا نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی جواب اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاصل ہوتا ہے کہ ساری مخلوقات کی انتہا اس ذات پر ہوتی ہے اور وہ سبھی کا خالق ہے جب کہ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔

اس طرح کے سوالات چونکہ انسان کے لیے ذہنی پراگندگی کا باعث بنتے ہیں اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس طرح کے سوالات پر غور کرنے سے بھی منع فرمایا تاکہ کہیں کوئی شخص گمراہ نہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا الشُّبَّانُ أَحَدُكُمْ يَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولُ: مَنْ خَلَقَ رَبِّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَهْ))^(۱)

”شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر (اس کے دل میں) کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بندے کی یہ حالت ہو تو اس کو چاہیے کہ تلوذ پڑھے اور (مزید غور و فکر) سے رک جائے۔“

.....*.....

(۱) [صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس۔۔۔ (ج ۳۴۷۶) مسلم، کتاب الایمان (ج ۱۳۴)]

مختلف ادیان و مذاہب کا تصور الہ

ہر دین و مذہب میں اللہ (خدا) کے بارے میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود رہا ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی و رسول مبعوث کیے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس تصور حقیقی سے آشنا کروانے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جو خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کروانا چاہتے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی مردہ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کی طرف انبیاء و رسل، الٰہی تعلیمات لے کر نہ پہنچے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بات کی شہادت اپنی کتاب میں اس طرح دی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ [سورۃ النحل: ۳۶]

”تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [سورۃ فاطر: ۲۴]

”اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ جس میں کوئی ڈرسانے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو۔“

یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کی قوموں اور ملتوں میں سے کسی نے انبیاء و رسل کی تعلیمات کو تسلیم کیا اور کسی نے نہیں، کسی نے ان تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بعد جلد ہی اپنے حسبِ منشا اس میں تبدیلی پیدا کر لی اور کسی نے دیر سے ایسا کیا۔ جبکہ بہت تھوڑے لوگ ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ان تعلیمات کو اصلی شکل میں ہمیشہ زندہ رکھا۔

اس وقت دنیا میں آباد قوموں میں سے مسلمانوں کے علاوہ صرف یہودی اور عیسائی دو ہی ایسے مردہ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید یہ شہادت دیتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء و رسل اور آسمانی صحائف بھیجے گئے۔ ظاہر ہے آسمان سے آنے والے تمام الٰہی صحائف اور خدائی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک ہی تصور ہونا چاہیے اور تھا بھی ایسے ہی۔ مگر یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف میں از خود تبدیلیاں کر لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تصور الہ وہ نہ رہا جو آخری محفوظ الہامی کتاب یعنی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

نزدک قرآن سے بہت پہلے ان یہود و نصاریٰ کا تصور الہ چونکہ بدل چکا تھا اس لیے قرآن مجید نے ان

کے اس محرّفانہ تصور الہ پر تنقید کی۔ اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب چونکہ مشرکین مکہ بھی تھے اور ان کا تصور الہ بھی وہ نہ تھا جو فی الواقع اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اس لیے ان کے تصور الہ پر بھی قرآن مجید میں تنقید کی گئی۔ علاوہ ازیں یہ آخری آسمانی کتاب چونکہ اب رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ کے تعارف، اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اخروی نجات کا واحد معیار تھی اس لیے اس میں نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تصور و تعارف پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا بلکہ غلط تصورات کی بھی اچھی طرح نفی فرمادی۔ اس لیے اب مذہب عالم کے تصور الہ کو قرآن کے بیان کردہ تصور الہ کے ساتھ ہی پرکھا اور حق و باطل میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم یہود و نصاریٰ اور دیگر مذہب عالم کا تصور خدا (اللہ) بالا اختصار اور اگلی فصل میں اسلام کے تصور الہ کو بالتفصیل پیش کریں گے۔

یہود و نصاریٰ کا تصور الہ (خدا)

یہود اور نصاریٰ (عیسائی) یہ دو گروہ ایسے ہیں جن کی طرف بے شمار انبیاء اور تورات و انجیل کی شکل میں آسمانی کتابیں بھیجی گئیں۔ مشرکین مکہ کے مقابلہ میں ان کے پاس چونکہ آسمانی کتاب تھی (خواہ اس کی کیسی ہی حیثیت تھی) اس لیے قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں کو اہل کتاب کے نام سے بھی پکارا ہے۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ اللہ کو خالق و معبود مانتے تھے مگر ان کا تصور الہ وہ نہ رہا جو ان کے انبیاء نے انہیں بتایا تھا۔ ان کے انبیاء نے انہیں جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿فَلَمَّا أَنهَا نُوَدِي بِمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طُوًى
وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ
لِيَذْكُرِي﴾ [سورة طه : 11 تا 14]

”جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) وہاں آئے تو انہیں پکارا گیا: اے موسیٰ! بے شک میں تیرا رب ہوں، پس تم اپنے جوتے اتار دو، یقیناً تم طہوی کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں (اپنے پیغام) کے لیے چن لیا ہے لہذا ان غور سے سنو جو تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں اور میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، لہذا تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنی امت سے کہا تھا:

﴿ اِنْ اَعْبَلُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ﴾ [سورة المائدة: ۱۱۷]

”تم ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بتائے ہوئے تصور الہ میں کیا بگاڑ پیدا کر لیا تھا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ہمیں کچھ اس طرح بتایا گیا ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَقْوَاهِمُ يُضَاهِيْنَ قَوْلَ الْبَدِیْنِ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنۢىۡ يُّؤْتِكُوْنَ اَخْبَارَهُمْ وَرُهۡبَانَهُمْ اُرۡسَابًا مِّنۡ حۡوَنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَمَا مِرۡوَاۤ اِلَّا لَيۡتَعَبِلُوۡا الْهٰٓءَا وَاحِدًا لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبۡحٰنَهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴾ [سورة التوبة: ۳۰، ۳۱]

”یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے، وہ کیسے پٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

یہود و نصاریٰ نے اللہ کی شان یکمائی کے حصے کر دیے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور یہودیوں نے عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو قرآن مجید نے ایک نبی کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے مگر یہ عزیر کون تھے اور انہیں کس بنیاد پر یہودیوں نے اللہ کا بیٹا بنایا اس کی کوئی تفصیل اور قطعی جواب ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتا۔ تاریخی ذرائع روایتوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے انہیں ایک نبی اور بعض نے ایک کاہن قرار دیا ہے اور یہودیوں کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے یہود کی شریعت کی تجدید اور تورات کی تدوین کی تھی مثلاً مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ

”حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دور ابتلاء بنی اسرائیل آیا، اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم

ہو گئی تھی بلکہ بائبل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے نا آشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انہی عزیز یا عزرائیل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کا من کو خدا کا بیٹا بنایا بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔“ [تفہیم القرآن۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹]

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ اولاد اور نہ والدین جبکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو نہ اللہ کا بیٹا کہا، نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اللہ کے بیٹے تھے بلکہ وہ تو اللہ کے پیدا کردہ ایک بندے اور اس کے رسول تھے اور انہوں نے اللہ کی وحدانیت ہی کا تصور پیش کیا مگر ان کے بعد لوگوں نے ان کی تعلیمات کو بدل ڈالا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد پال (پولس) نامی ایک شخص نے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی میں تو ان پر ایمان نہ لایا البتہ آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی بن گیا تھا، دین عیسوی کو مقبول عام بنانے کی نیت سے اس میں کچھ ایسی جوہری تبدیلیاں کر دیں جس سے دین عیسوی تو بلاشبہ مقبول عام بن ہی گیا بلکہ وہ یہودیت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گیا مگر ان تبدیلیوں سے دین عیسوی کی شکل وہ نہ رہی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کی تھی بلکہ اب اس کی شکل وہ بن گئی جو پال نے پیش کی تھی اور روم کے بت پرست بادشاہ (قسطنطین) نے جب دین عیسوی قبول کیا تو اس میں بت پرستی کو بھی شامل کر لیا تاکہ رومیوں اور دیگر بت پرستوں کی حمایت بھی اسے حاصل رہے۔ اس طرح سے دین عیسوی بدلتا چلا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی جانے والی کتاب انجیل میں بھی غلط عقائد کی پیوند کاری کر دی گئی۔

پال (پولس) ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا بیٹا ہونے اور ان میں خدائی صفات کا ظہور ہونے کا فلسفہ پیش کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک کی زندگی کا بڑا حصہ چونکہ معجزات پر مشتمل رہا تھا اس لیے عیسائیوں میں پال کے بنائے ہوئے ابیت اور الوہیت وغیرہ کے عقائد بہت جلد مقبول عام ہو گئے، اگرچہ دین عیسوی کے اصل پیروکار ان نظریات

کے خلاف آواز اٹھاتے رہے مگر ان کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں اور جب رومی بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو ان شرکیہ عقائد (ابہیت، الوہیت، تثلیث، طول و غیرہ) کو سرکاری سطح پر نافذ کر دیا اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو 'کافر' قرار دے کر تختہ دار پر کھینچنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شرکیہ عقائد ہی سچی دنیا کے اصل عقائد و نظریات کی حیثیت اختیار کر گئے۔

یہود و نصاریٰ کے بگڑے ہوئے تصورات پر تنقید کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک تو یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اور حضرت عزیر کے بارے میں ابہیت، الوہیت وغیرہ جیسے نظریات سراسر کفر و شرک پر مبنی ہیں اور دوسرا یہ پہلو اجاگر کیا کہ خود حضرت عیسیٰ ﷺ نے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہوئے اسی ایک معبود برحق کی عبادت کی تعلیم دی تھی۔ درج ذیل آیات میں ان حقائق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنَزِّلَ الْوَيْلَ عَلَى الْبَشَرِ إِنَّهُ لَذُو ذُنُوبٍ وَأَثَمَاتٍ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [سورة المائدة: ١٧]

”یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَابٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمِمَّنْ إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ [المائدة: ٧٣، ٧٢]

”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقیناً مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ تحقیق وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں

کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدْقَةٌ كَمَا نَا بَأْسُ كَلَانِ
الطَّعَامِ أَنْظَرُ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ لِمَنْ أَنْظَرُ أَمْ يَكْفُرُونَ﴾ [سورة العنكبوت: ١٧٥]

”مسیح ابن مریم سوائے ایک پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔“

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا
خِطْبَ الْكُفْرِ إِنَّمَا اللَّهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَتَكْفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ [سورة النساء: ١٧١]

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا حکم ہیں، جسے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ (اسی میں) تمہارے لیے بہتری ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔“

موجودہ بائبل اور تصور توحید

موجودہ بائبل جسے یہود و نصاریٰ کے ہاں ’کتاب مقدس‘ کہا جاتا ہے، یہ تورات، انجیل، زبور اور بعض دیگر انبیاء کے صحائف پر مشتمل ہے اور اس کے دو حصے ہیں پہلے کو عہد نامہ قدیم اور دوسرے کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ بائبل میں شامل آسمانی کتابوں اور صحائف میں اگرچہ کئی مرتبہ تحریف ہوئی اور وہ اپنی اصل الہامی شکل میں موجود نہ رہے مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ابھی بھی ان میں بعض الہامی تعلیمات اپنی صحیح شکل میں پائی جاتی ہیں مثلاً توحید و شرک کے حوالے سے بائبل میں شامل صحائف میں ایک اللہ کی عبادت و پرستش اور غیر اللہ کی عبادت سے اعراض کے احکام واضح طور پر ملتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند

مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

- [۱] ”اور خدا نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا، میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی صورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے، تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا میسرور خدا ہوں۔“ (۱)
- [۲] ”اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ کہنا کہ تم نے خود دیکھا کہ میں نے آسمان پر سے تمہارے ساتھ باتیں کیں۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا یعنی چاندی یا سونے کے دیوتا اپنے لیے نہ گھڑ لینا۔“ (۲)

[۳] ”خود ہی ہوئی صورتوں کے بنانے والے سب کے سب باطل ہیں اور ان کی پسندیدہ چیزیں بے نفع۔ ان ہی کے گواہ دیکھتے نہیں اور سمجھتے نہیں تاکہ پشیمان ہوں۔ کسی نے کوئی بت بنایا یا کوئی صورت ڈھالی جس سے کچھ فائدہ ہو؟۔ دیکھ اس کے سب ساتھی شرمندہ ہوں گے کیونکہ بنانے والے تو انسان ہیں..... بڑھی سوت پھیلاتا ہے اور نکلے ہتھیار سے اس کی صورت کھینچتا ہے، وہ اس کو زندے سے صاف کرتا ہے اور پرکار سے اس پر نقش بناتا ہے۔ وہ اسے انسان کی شکل بلکہ آدمی کی خوبصورت شبیہ بناتا ہے تاکہ اسے گھر میں نصب کرے۔ وہ دیوداروں کو اپنے لیے کاٹتا ہے اور قسم قسم کے بلوط کو لیتا ہے اور جنگل کے درختوں سے جس کو پسند کرتا ہے۔ وہ صنوبر کا درخت لگاتا ہے اور مینہ اسے سینچتا ہے۔ تب وہ آدمی کے لیے ایندھن ہوتا ہے۔ وہ اس میں سے کچھ سلگا کر تاپتا ہے۔ وہ اس کو جلا کر روٹی پکاتا ہے بلکہ اس سے بت بنا کر اس کو سجدہ کرتا ہے۔ وہ خود ہی ہوئی صورت بناتا ہے اور اس کے آگے منہ کے بل گرتا ہے..... اور اس سے التجا کر کے کہتا ہے مجھے نجات دے کیونکہ تو میرا خدا ہے۔ وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی آنکھیں بند ہیں۔ پس وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل سخت ہیں پس وہ سمجھتے نہیں بلکہ کوئی اپنے دل میں نہیں سوچتا اور نہ کسی کو معرفت اور تمیز ہے کہ اتنا کہے میں نے تو اس کا ایک ٹکڑا آگ میں جلایا اور میں نے اس کے انگاروں پر روٹی بھی پکائی اور میں نے گوشت بھونا

(۱) (بائبل: کتاب خروج: باب ۲۰۔ آہات ۱۶۔ شائع کردہ: پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

(۲) (ایضاً، کتاب خروج: باب ۲۰۔ آہات ۲۲۔ ۲۳)

اور کھایا۔ اب کیا میں اس کے بقیہ سے ایک مکروہ چیز بناؤں؟“ (۱)

موجودہ بائبل اور تصور خدا

موجودہ بائبل میں ایک اللہ کی عبادت اور بت پرستی کی مذمت کا ذکر تو جا بجا ملتا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ مگر خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں بعض ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور عظمت کے منافی ہیں مثلاً بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد غم اور حسرت کا اظہار کیا۔ (۲)

اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کو حضرت یعقوب عليه السلام کے ساتھ کشتی لڑتے دکھایا گیا ہے۔ (۳)

اسی طرح چھ دنوں میں کائنات بنانے کے بعد ساتویں دن اللہ تعالیٰ کو آرام کرنے کا محتاج ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا تذکرہ بھی جا بجا ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہرگز نہیں۔ [قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں ان کا ذکر تیسری فصل میں آئے گا۔ ان شاء اللہ]

ہندومت اور تصور اللہ

برصغیر میں آباد لوگوں کی بڑی تعداد جس مذہب کی پیروکار ہے اسے ”ہندومت“ کہا جاتا ہے۔ یہ انتہائی قدیم مذہب ہے مگر اس مذہب کی نسبت نہ کسی نبی اور رسول کی طرف ہے اور نہ ہی ان کی کوئی مستند الہامی کتاب موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے لے کر جزوی اعمال تک ہر جگہ تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے اور خود ہندو محققین و مؤرخین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ہندومت میں تصور اللہ ’تریورتی‘ سے شروع ہوتا ہے اور ہندوؤں کے بقول ’تریورتی‘ کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یعنی کائنات کا خالق و مالک (بھگوان) تین شکلوں میں ظاہر ہوا۔ ایک ’برہما‘ دوسری ’وشنو‘ (اسے ’بشن‘ یا ’وشن‘ بھی کہا جاتا ہے) اور تیسری ’مہادیو‘ (اسے ’شیو‘ بھی کہا جاتا ہے)۔ ہندوؤں کے

(۱) [یسعیاہ: باب ۴۴ آیات ۱۰ تا ۲۰۔ مزید اقتباسات کے لیے دیکھیے: کتاب استثناء: باب ۴۔ آیت ۳۵، ۳۹۔

باب: آیات ۶ تا ۹۔ باب ۶ آیت ۴۔ کتاب خروج: باب ۲۰۔ آیات ۲ تا ۱۵۔ یسعیاہ: باب ۴۵ آیات ۶۵۔ باب

۴۶ آیت ۹۔ انجیل متی۔ باب ۴ آیت ۱۰۔ باب ۶ آیت ۱۳]

(۲) [پیدائش: باب ۶ آیات ۸ تا ۶]

(۳) [ایضاً۔ باب ۳۲۔ آیات ۲۴ تا ۲۸]

بقول برہما کا کام مخلوقات پیدا کرنا، وشنو کا کام مخلوق کو پالنا اور مہادیو کا کام تباہی و بربادی لانا ہے۔ ہندوؤں نے ان تینوں کی پہلے الگ الگ فرضی شکلیں (مورتیاں) بنائیں اور بعد میں ان تینوں کو متحد کر کے ایک ایسے دیوتا کی شکل دے دی جس کے جسم پر بیک وقت تین سر ہیں۔ اسے ہی ان کے ہاں 'تریپورتی' کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ان تینوں دیوتاؤں کو انسانی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں عجیب و غریب کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین دیوتا کے علاوہ اور بھی بے شمار دیوتا پیدا ہوئے۔ کوئی کسی کی میل کچیل سے، کوئی کسی کے غصے سے، کوئی راکھ اور خاک سے اور کوئی ان دیوتاؤں کے زنا کے نتیجے سے۔ حتیٰ کہ بتوں، دیویوں اور دیوتاؤں کا یہ سلسلہ کروڑوں کی تعداد تک بڑھتا چلا گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ جاندار اشیا سے لے کر بے جان چیزوں تک، پودوں اور درختوں سے لے کر دریاؤں اور سمندروں تک، اجرام فلکی سے لے کر ناقابل ذکر اعضائے انسانی تک شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کی ہندو پرستش نہ کرتے ہوں۔

'ہندومت' چونکہ ایک مذہب کی بجائے فلسفہ کی حیثیت زیادہ رکھتا ہے، اس لیے اس میں عجیب فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں۔ ہندوؤں کا ایک فلسفہ ہے جسے 'وحدت الوجود' کہا جاتا ہے، اس فلسفہ کی رو سے کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ اور جزو لایقہفک ہے۔ (معاذ اللہ!) اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ اوتار بھی ہے۔ اس کی رو سے اللہ تعالیٰ حسب ضرورت کسی بھی انسانی شکل میں نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ!)

اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ تناخ بھی ہے۔ جسے 'آواگون' یا 'جونی چکر' بھی کہا جاتا ہے۔ اس فلسفہ تناخ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کی روح اس وقت تک اس دنیا میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ انسان گناہوں سے پاک صاف نہ ہو جائے اور جب وہ ہر طرح کے گناہ سے پاک ہو کر مرے تو اس کی روح خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ جا ملتی ہے اور اسے دنیا میں بار بار مختلف شکلوں میں پیدا ہونے کے چکر سے نجات مل جاتی ہے اور ہندومت میں یہی ایک انسان کا اچھا انجام کار ہے۔ ہندو مت کے ان نظریات پر تنقید اگلی فصلوں میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب

دنیا میں ایسے مذاہب بہت کم ہوئے ہیں جو ایک بڑے معبود (اللہ) یا دوسرے لفظوں میں خدا کے منکر ہوں۔ عصر حاضر میں روس کے کمیونسٹوں کو منکر بن خدا کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ماضی کی تاریخ میں بھی منکر بن خدا کا کہیں کہیں وجود ملتا ہے مگر مجموعی طور پر انسانیت ہمیشہ خدا کے تصور کی قائل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کے خدائی حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا یا اس کی صفات کا غیر اللہ پر انطباق کرنا یا اس کی شان کے منافی تصورات قائم کرنا بھی انسانی تاریخ میں معمول رہا ہے۔ مثلاً بدھ مت کے بانی 'گوتم بدھ' کے بارے میں یہ بات تو قطعی طور پر ثابت نہیں کہ وہ خدا کا منکر تھا تاہم خدا کا قائل ہونے کے باوجود وہ فلسفہ وحدت الوجود کا قائل تھا جس کی رو سے کائنات کی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ ہے جب کہ گوتم بدھ کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کے مجسمے بنا کر اسے بھی خدا کی خدائی میں شریک بنالیا۔ بلکہ بعض نے تو اسے خدا کا اوتار قرار دے دیا۔ پھر آگے چل کر کئی اور لوگوں (مثلاً لائی لامہ وغیرہ) کو خود گوتم بدھ کا اوتار قرار دے کر ان کے بھی مجسمے (بت) بنائے گئے اور ان کی بھی پوجا و پرستش شروع کر دی گئی۔

جس طرح بدھ مذہب ایک بت پرست مذہب کی شکل اختیار کر گیا، اسی طرح ایک خدا کو ماننے والے بے شمار مذاہب شرک اور بت پرستی کا مظہر بن گئے مثلاً چین کے دو بڑے مذہب 'تاؤ ازم' اور 'کنفیوشس ازم' ہندوؤں کی طرح بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش کے قائل ہیں حتیٰ کہ ان مذاہب کے پیروکار اپنے آباؤ اجداد کے بت بنا کر ان کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح جاپان کے قومی مذہب 'شنتو ازم' میں آگ، سورج، پہاڑ، ندی نالے، دریا اور سمندر وغیرہ ہر چیز کے دیوی دیوتا بنا کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

مشرکین عرب کا تصور خدا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہوں نے ساری زندگی توحید کی دعوت میر صرف کی۔ آپ نے اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ میں 'بیت اللہ' کی پرانی بنیادوں پر تجدید و تعمیر فرمائی اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہوئے اور ان کی کوششوں سے عرب کا خطہ توحید سے منور ہو گیا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے باشندگان عرب کی توحید میں خلل واقع ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک باشندگان عرب ایک اللہ ہی کو کائنات

خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرتے تھے مگر انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے تصورات بھی قائم کر لیے تھے جو توحید باری تعالیٰ کے منافی تھے۔ درج ذیل سطور میں ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔

بت پرستی

ایک تو انہوں نے یہ کام کیا کہ اپنے نیک صالح اولیا اور بزرگوں کے بت بنا لیے اور ان کے لیے بھی وہ تمام مراسم عبادت بجالانے لگے جن کا حق اللہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں مثلاً ان بتوں کے لیے حج و طواف کیا جاتا، ان کے لیے نذریں مانی جاتیں اور نیازیں دی جاتیں، ان کے نام پر جانور قربان کیے جاتے، ان کے لیے اپنے مال اور پیداوار سے حصہ نکالا جاتا۔ بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر بیت اللہ میں مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے حتیٰ کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ان سارے بتوں کو جلا کر راکھ بنا دیا۔ دوسری طرف قرآن مجید میں بھی ان بتوں کی پرستش اور انہیں مافوق الاسباب تو توں کا مالک سمجھ کر پکارنے کی صاف تردید کر دی گئی۔

ملائکہ پرستی

اسی طرح مشرکین عرب فرشتوں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لہذا ان کی پرستش سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ ملائکہ پرستی کے حوالے سے مشرکین کا نقطہ نظر قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَجَعَلُوا الصَّلَاةَ الذِّكْرَ الَذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَّا اَسْهَلُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ

يُسْتَلْقَوْنَ وَقَالُوْا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾

”انہوں نے ملائکہ (فرشتوں) کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا ہے۔ کیا ان کی پیدائش

کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی

اور (یہ مشرکین) کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، یہ

تو صرف اٹکل بچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔“ [سورۃ الزخرف۔ ۲۰، ۱۹]

جنات پرستی

مشرکین عرب سمجھتے تھے کہ شاید ملائکہ اور جنات ایک جیسی مخلوق ہے چنانچہ وہ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ کا رشتہ

دار کہا کرتے اور اسی مناسبت سے جنات کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا﴾ [سورۃ الصّٰفّٰت: ۵۸]

”انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی۔“

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۰۰]

”اور انہوں نے اللہ کے ساتھ جنات کو شریک ٹھہرا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور انہوں نے علم کے بغیر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لی ہیں۔“

نیز وہ مصیبت اور خوف کے وقت انہی جنوں سے پناہ بھی مانگا کرتے تھے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كَانَ رِجَالًا مِّنَ الْإِنسِ يَتُفَوِّذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [سورۃ الجن: ۶]

”انسانوں میں سے کچھ لوگ بعض مذکر جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات اور رازقی مخلوقات تسلیم کرتے تھے تو پھر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق عبادت میں جنات، فرشتوں اور اپنے اولیا اور ان کے بنائے ہوئے جنوں کو کیوں شریک ٹھہراتے تھے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب کچھ اس طرح دیا ہے:

﴿وَتَعْبَلُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَسْتَبُونَ

اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [ہونس: ۱۸]

”اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں

کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ

کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔“

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: ۲۰]

”جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے

کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔“

معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ انبیاء و اولیاء وغیرہ کو اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہوئے ان کی عبادت کرتے

تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دلیل کو صاف طور پر رد فرما دیا کیونکہ اللہ کے تقرب کا یہ طریقہ نہیں کہ انسان خود

نیک بنے اور اللہ سے مانگنے کی بجائے اس کے نیک بندوں کو پکارنے اور ان سے امیدیں وابستہ کرنے لگے!!

اسلام کا تصورِ الہ (تعارفِ باری تعالیٰ)

اسلام نے اللہ اور معبود کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جاننے کا واحد ذریعہ وحی الہی ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو خالق و مخلوق نہ ہو، قادر مطلق ہو، محتاج نہ ہو، غنی ہو فقیر نہ ہو، مالک الملک ہو غلام نہ ہو، مختار کل ہو بے بس نہ ہو، ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہو اور کوئی چیز اس کے تصرف سے باہر نہ ہو۔ ہر خوبی اس میں موجود ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ یکتا، تنہا اور اکیلا ہو، اس کے خلق، امر، علم، تصرف، قدرت، افعال اور صفات میں نہ کوئی اس کا شریک ہو اور نہ معاون، بلکہ وہ اپنے افعال و صفات میں کسی شریک کی شراکت اور معاون کی معاونت کا محتاج نہ ہو۔ وہ جبار و قہار بھی ہو اور رحمان و رحیم بھی۔ وہ غیور بھی ہو اور حلیم بھی۔ وہ ہر وقت اپنی مخلوق پر نظر رکھنے والا بھی ہو اور قدرت رکھنے والا بھی۔ اپنی مخلوق پر ہر طرح کا انعام کرنے والا بھی ہو اور بوقت ضرورت انہیں عذاب دینے کا اختیار رکھنے والا بھی۔ وہ آن واحد میں ساری کائنات کو تباہ و برباد کرنے کی قدرت رکھنے والا بھی ہو اور لفظ کُنْ (ہو جا) کہہ کر پھر سے وجود بخشنے کی طاقت رکھنے والا بھی!

یہ تمام خوبیاں اگر کسی میں ہو سکتی ہیں تو وہ ایک اللہ وحدہ لا شریک کی ذات ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اللہ تعالیٰ کے تعارف کے حوالے سے ان چیزوں کو بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا تعارف

جس طرح ہر ذی روح چیز ایک وجود رکھتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی وجود رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات اور ہاتھ، پاؤں، آنکھوں اور چہرے وغیرہ کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا جسم، چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اس طرح نہیں جس طرح اس کی مخلوق کے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [سورۃ الشوری: ۱۱]

”اس کے مثل کوئی نہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ مخلوق کے جسم و اعضا کی ہیئت و ترکیب اور کارکردگی وغیرہ تو ہم جانتے ہیں مگر خالق کے وجود و اعضا کی کنہ و حقیقت سے ہم واقف نہیں کیونکہ یہ چیزیں وحی کی رہنمائی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں اور وحی کے ذریعے ہمیں اللہ کے وجود (اور ہاتھ پاؤں وغیرہ) کے بارے میں تو بتایا گیا ہے مگر ان کی کنہ و حقیقت ہمیں نہ بتائی گئی اور نہ ہی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار انسانوں کو کروایا۔ اس لیے ہم اتنی باتوں پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں جتنی قرآن و حدیث میں ہمیں بتادی گئی ہیں اور جس طرح بتائی گئی ہیں اسی طرح سے ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ ہمیں بتایا نہیں گیا بلکہ ہم سے مخفی رکھا گیا ہے، اس کے بارے میں ہم رائے زنی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے:

۱..... ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ الْبَصِيرُ﴾ [سورۃ آل عمران: ۲۸]

”اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرارہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

۲..... ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [سورۃ الانعام: ۵۶]

”تمہارے رب نے رحم کرنا اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔“

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے کے مقابلہ میں اس کی رحمت زیادہ وسیع ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوا تو اس نے عرش پر لکھ دیا:

((إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي))^(۱)

”بے شک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔“

۳..... ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَقْبُضُ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [سورۃ الرحمن:

[۲۷، ۲۶]

”زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، (وہی) باقی رہ جائے گی۔“

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التوحید (حدیث: ۷۴۰۴)]

اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ

۱..... ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَانْتُمْ وَجْهَ اللَّهِ﴾ [سورة البقرة: ۱۱۵]

”اور مشرق و مغرب کا مالک صرف ایک اللہ ہے، پس تم جہرہ کو منہ کرو اور وہی اللہ کا منہ (چہرہ) ہے۔“

۲..... ﴿فَاتِذَا قُرُئِ حَقُّهُ وَالْمُسْكِينِ وَآئِنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾

[سورة الروم: ۲۸]

”پس قربت دار کو، مسکین کو، مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجیے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کا

چہرہ (دیکھنا) چاہتے ہیں۔“

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار قیامت کے روز ہوگا اور وہ بھی صرف اہل ایمان کو۔ [اگلی فصل

میں اس بارے چند احادیث ذکر کی جائیں گی۔]

اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ

۱..... ﴿قُلْ إِنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [سورة آل عمران: ۷۳]

”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے فضل سے

نوازے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

۲..... ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ بَدَّلَهُ بَدَلًا مَغْلُوبَةً عَلَيْهِمْ وَارْتَبَتْ بِهَا مَقَالُوا بِهِ يُدْعَىٰ مَبْسُوتًا وَيُنْفِقُ

كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [سورة المائدة: ۶۴]

”اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ بندھے

ہوئے ہیں اور ان (یہودیوں) کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں

ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔“

۳..... ﴿تَبَرَّكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [سورة الملك: ۱]

”بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا

ہے۔“

۳..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن کی سخاوت اس سے کچھ بھی کم نہیں کرتی۔“ آپ ﷺ نے (مزید فرمایا: ”کیا تمہیں علم ہے کہ جب سے اس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں تب سے اس نے جتنا خرچ کیا ہے، اس (خرچ) نے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے۔“^(۱))

۵..... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ يَبْخُسُ نَوْمَ الْعِبَادَةِ الْأَرْضِ وَتَكُونُ السَّمَوَاتُ بِمِثْلِهِ يَقُولُ : أَنَا الْمَلِكُ))

”قیامت کے دن زمین اس (اللہ تعالیٰ) کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر وہ کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔“^(۲)

۶..... حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”ایک یہودی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد! کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا اور زمین کو بھی ایک انگلی پر اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اور پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں؟ (یہ بات اس نے بڑے تعجب سے کہی) اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [سورۃ الانعام: ۹۱]

”اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کا حق تھا۔“

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (اس یہودی کی باتوں پر) ازراہ تعجب اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس پڑے۔^(۳)

اللہ تعالیٰ کی بابرکت آنکھوں کا تذکرہ

۱..... ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا﴾ [سورۃ المؤمنون: ۲۷]

”پھر ہم نے اُس (نوح علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التوحید والرد علی الجہمیۃ وغیرہم (ج ۷۴۱)]

(۲) [صحیح بخاری، ایضاً (ج ۷۴۱۲)]

(۳) [صحیح بخاری، ایضاً (ج ۷۱۱۴)]

ایک کشتی بنا۔“

۲..... ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُخْرَجُونَ﴾

”اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر (کیونکہ) وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔“ [سورۃ ہود: ۳۷]

۳..... ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ﴾ [سورۃ الطور: ۴۸، ۴۹]

”تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر، اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ۔“

۴..... ﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوْحَانِ وَالَّذِي نَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءَ لِمَنْ كَانَ كُفِرًا﴾

”اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔“ [سورۃ القمر: ۱۳، ۱۴]

اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ

۱..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يُلْقَىٰ فِي النَّارِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّىٰ يَضَعَ قَدَمَهُ فَتَقُولُ قَطُّ قَطُّ))^(۱)

”جہنم کو بھردیا جائے گا اور وہ کہے گی: اور کچھ لاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: بس! بس!“

۲..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”جنت اور دوزخ نے آپس میں بحث کی، دوزخ نے کہا کہ میں منکبہوں اور ظالموں کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ والے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں، رحم کروں گا اور دوزخ سے کہا کہ تو عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں عذاب دوں گا۔ چنانچہ جنت اور دوزخ دونوں بھر جائیں گی۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں

(۱) [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: وتقول هل من مزيد (ح- ۴۸۴۹، ۴۸۴۸) مسلم (ح- ۲۸۴۶، ۲۸۴۷)]

بھرے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں مبارک اس پر نہ رکھ دیں گے اور پھر وہ کہے گی کہ بس بس، چنانچہ وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

۱..... ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقِي وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُفُهُمْ ذِلَّةً وَقَدْ كَانُوا بُدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ﴾ [سورة القلم: ۴۲، ۴۳]

”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور لوگ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ (کافر و مشرک سجدہ) نہ کر سکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی حالانکہ یہ سجدے کے لیے (دنیا میں اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ صحیح سالم تھے۔“

۲..... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے تھے:

”ہمارا پروردگار قیامت کے دن اپنی پنڈلی کھول دے گا، اس وقت تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں اس کے لیے سجدہ ریز ہو جائیں گی۔ صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں شہرت اور ناموری کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ بن جائے گی۔“ (اور سجدہ کے لیے جھکنا ان کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا)^(۲)

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔^(۳)

یہی بات سورہ ہود میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: وتقول هل من مزيد (ح- ۴۸۵۰)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: يوم يكشف عن ساقی (ح- ۴۹۱۹) صحیح مسلم (ح- ۱۸۳)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب: وكان عرشه على الماء (ح- ۷: ۱۸) صحیح مسلم، کتاب القدر]

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [ہود: ۷]

”اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔“

اب اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کے چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱..... ﴿أَمْ لَكُمْ مِنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ أَمْ أُنزِلَتْ مِنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نُنزِلُ﴾ [سورة الملك: ۱۶، ۱۷]

”کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزے لگے۔ یا آیا تم اس بات سے ڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسادے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہیں۔ درج ذیل حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

۲..... حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا:

((أَلَا تَأْمَنُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ فِي السَّمَاءِ بِأَيِّئِي خَيْرُ الْمَسَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً))^(۱)

[بخاری: کتاب المغازی: باب بعث علی بن ابی طالب..... (۴۳۵۱) مسلم (۱۰۶۴)]

”تم مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی وحی صبح وشام میرے پاس آتی ہے۔“

۳..... ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ [سورة فاطر: ۱۰]

”تمام تر پاکیزہ کلمات اسی کی طرف (اوپر) چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہ (اپنی طرف) بلند کرتا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات کے اوپر چڑھنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتے لوگوں کے نیک اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

۴..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں کی تمہارے پاس آمد و رفت مسلسل جاری رہتی ہے اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (رات اور دن کے فرشتوں کا) اکٹھ ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رات بھر رہنے والے

فرشتے جب اوپر (آسمان پر) چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جو (ان فرشتوں کی نسبت) اپنے بندوں کے متعلق زیادہ جانتے ہیں، ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے، تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔“^(۱)

۵..... حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”میری ایک باندی تھی جو اُحد پہاڑ اور جوانیہ مقام کی طرف میری بکریاں چرانے لے جایا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری کو بھیڑ یا اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں بھی اولادِ آدم سے ہوں اور مجھے بھی اسی طرح افسوس لاحق ہوتا ہے جس طرح دوسروں کو ہوتا ہے لیکن میں نے اتنا ہی کیا کہ اس باندی کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا (اور یہ بات آپ کو بیان کی) تو آپ پر میرا یہ عمل بڑا گراں گزرا چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس باندی کو (اس تھپڑ کے بدلے) آزاد نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں اس باندی کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا: اَیْنَ اللّٰهُ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا ”آسمان پر۔“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: ”آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔“^(۲)

۶..... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((الْكُرْحَمُونَ يُرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ اِزْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يُرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ))^(۳)

”رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“

اس حدیث کا ترجمہ برصغیر کے مشہور شاعر علامہ حالی نے اس طرح کیا ہے:

بے کرد مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

(۱) [صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب فضل صلاة العصر (ح-۵۵۵) صحیح مسلم (ح-۶۳۶)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة..... (ح-۵۳۷) سنن ابوداؤد (ح-۹۳۰)]

(۳) [صحیح سنن ترمذی، اللالیانی (ح-۱۰۶۹)]

اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ

گزشتہ سطور میں قرآن وحدیث کے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں ان سے پوری صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں، اس کائنات میں ہر جگہ اور ہر چیز میں حلول کیے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود اور حلول کا عقیدہ رکھنے والوں کا خیال ہے۔ البتہ قرآن مجید کی بعض آیات میں بیان ہوا ہے کہ

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں۔“ (دیکھئے: سورۃ محمد۔ آیت ۱۳۵)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ہم اس کی شرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“ (سورۃ ق۔ ۱۶)

اس طرح کی آیات سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اور آسمانوں کے اوپر ہیں تو ہر انسان کے ساتھ ہونے اور اس کی شرگ سے بھی قریب ہونے کا کیا مطلب؟

جمہور ائمہ سلف ان آیات کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کے ساتھ ہونے اور شرگ سے بھی قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ماضی قریب میں بعض عرب علمائے سلف کے اس نقطہ نظر کو بھی ’تاویل‘ قرار دے دیا اور کہا کہ..... ”اللہ تعالیٰ جس طرح عرش پر ہیں، اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ البتہ عرش پر ہونے کی کیفیت جس طرح بیان نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہونے کی کیفیت بھی بیان نہیں کرنی چاہیے۔“.....

اس سے اگرچہ حلول و اتحاد کے نظریہ کا شبہ ہوتا ہے مگر جن عرب علمائے یہ موقف اختیار کیا وہ حلول و اتحاد جیسے نظریات کو سخت گمراہ کن نظریات قرار دیتے ہیں۔ ان کے برعکس عرب علماء کی بڑی تعداد جن میں شیخ ابن باز سرفہرست ہیں، کا نقطہ نظر وہی ہے جو جمہور ائمہ سلف کا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تو عرش پر مستوی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت اور مع و بصر کے لحاظ سے ہر انسان کے ساتھ ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بڑا متوازن ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں درج کر رہے ہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول کی زبان سے اپنی ذات کے بارے میں یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ بلند و بالا اور عرش پر مستوی ہے..... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں قرب و معیت کا وصف بھی بیان کیا ہے۔ یہ معیت دو طرح کی ہے: ایک معیت عامہ اور

دوسری معیت خاصہ..... [معیّت عامہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے ساری مخلوق کے ساتھ ہے اور ان کے تمام حرکات و سکنات اور افعال و اعمال سے مطلع ہے جب کہ معیت خاصہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نصرت و تائید کے لحاظ سے اپنے انبیاء و اولیاء اور نیک بندوں کا خصوصی دھیان رکھتا ہے اور بوقت ضرورت آسمانوں کے اوپر ہی سے ان کی مدد فرماتا ہے.....] ^(۱)

معیّت باری تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کی چار اقسام ہیں۔ ایک قسم تو فرقہ جھمیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نہ کائنات کے اندر مانتے ہیں نہ اس سے خارج، نہ اوپر مانتے ہیں اور نہ نیچے.....

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ ان میں فرقہ نجاریہ اور فرقہ جھمیہ کے صوفیاء و باہادور عام لوگ شامل ہیں۔ ان سب کے بقول کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز ذات باری تعالیٰ ہے جس طرح کہ وحدت الوجود اور حلول و اتحاد کے قائلین کا نظریہ ہے۔ یہ لوگ 'قرب و معیت' سے متعلقہ نصوص (آیات و احادیث) کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے 'علو و استواء' سے متعلقہ نصوص میں تاویل میں کرتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے اور ہر جگہ پر بھی موجود ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم نصوص کا اقرار کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں اور ان نصوص کے ظاہری معنی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس قسم میں بہت سے گروہ شامل ہیں..... اس نقطہ نظر کے حامل اگرچہ پہلے دونوں گروہوں کے مقابلہ میں نصوص کے زیادہ قریب ہیں مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر بھی غلط ہے اور کتاب و سنت کے منافی اور علمائے سلف کے اجماع کے خلاف ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن میں اس امت کے سلف صالحین اور بڑے بڑے ائمہ کرام شامل ہیں۔ یہ لوگ قرآن و سنت میں مذکور چیزوں کو بغیر کسی تحریف کے تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے جدا اور مخلوق اس سے الگ ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے علم کے اعتبار سے بالعموم تمام بندوں کے ساتھ ہے اور اپنی نصرت و تائید کے اعتبار سے بالخصوص اپنے انبیاء و رسل اور اولیاء کے ساتھ ہے۔" ^(۲)

(۱) [مجموع الفتاویٰ (ج ۵ ص ۱۴۳-۱۴۴ تا ۱۴۵)] (۲) [مجموع الفتاویٰ (ج ۵ ص ۱۴۰ تا ۱۴۱)]

کیا اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ رائے مشہور گمراہ فرقہ معتزلہ کی ہے جب کہ دوسری طرف طبقہ صوفیاء کی رائے ان کے برعکس یہ ہے کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دیدار الہی ممکن ہے اور اس کے لیے سخت محنت اور ریاضت و عبادت کی ضرورت ہے۔ یہ عالی صوفیاء کی رائے ہے۔

اس سلسلہ میں اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں گروہوں کا نقطہ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی رو سے آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا مگر دنیا میں کسی انسانی آنکھ کے لیے دیدار الہی ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۰۳]

”اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے“

اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی غیر مبہم انداز میں یہ فرما دیا کہ

((تَعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدًا مِنْكُمْ زَيْنًا عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى يَمُوتَ))^(۱)

”یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) اللہ تعالیٰ کو ہرگز

نہیں دیکھ پائے گا۔“

اب اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دنیوی زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے تو اس کی یہ بات گزشتہ قرآنی آیت اور صحیح حدیث نبوی کے صریح منافی ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ شاید عام انسانوں کے لیے دیدار الہی ناممکن اور انبیاء و رسل اور اولیاء کے لیے ممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے اس غلط فہمی کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ انبیاء کے لیے بھی دنیوی زندگی میں انسانی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لینا ممکن نہیں۔ یہ واقعہ

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صباد (ج ۹۰-۹۱) (۷۳۰۶)]

قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَمَّا سَجَدَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرُ إِلَيْكَ فَإِن تَرَانِي وَلَكِنِ انظُرْ إِلَى الْجِبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّتْ مَكَانَهُ فَمَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجِبَلِ جَعَلَهُ دُخَانًا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَبَعًا فَلَمَّا أَتَاهَا قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [سورة الاعراف: ۱۴۳]

”اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرچے اڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں تو بہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلاتے اور بغیر دیدار کروائے براہ راست ان سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور اسی شوق کے اظہار کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کروانے کا مطالبہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروانے کے مطالبہ کا صاف انکار کر دینے کی بجائے ایسا انداز اختیار کیا جس سے پیغمبر نے جلد ہی حقیقت کو پالیا کہ میرا یہ سوال مناسب حال نہ تھا اور ہوش و حواس بحال ہونے کے بعد وہ خود ہی اللہ سے معافی کے طلبگار ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی نبی اور رسول کے لیے اس دنیاوی زندگی میں دیدار الہی ممکن نہیں ہے تو کسی غیر نبی کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟!

آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس دنیاوی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں مگر مرنے کے بعد روزِ آخرت اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ممکن ہو جائے گا اور یہ دیدار انہی اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور سعادت ہوگی۔ اس سلسلہ میں بے شمار آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں، بغرض اختصار چند ایک کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱..... ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِهَا نَاصِرَةً إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةً﴾ [سورة القيامة: ۲۲، ۲۳]

”اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔“

غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف نہیں فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲..... ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُورُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ﴾

”ہرگز نہیں! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے (دیدار) سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔ پھر یہ لوگ یقینی

طور پر جہنم میں جھونکے جائیں گے۔“ [سورۃ المطففین - ۱۶، ۱۵]

۳..... ((عن ابی ہریرۃ قال : قال أناسٌ یأزسؤلُ اللہ هل نرأی ربنا یومَ القیامۃ؟ فقال: هل تُصاؤونَ فی الشمسِ لیس ذؤنہا سحابٌ؟ قالوا: لا یأزسؤلُ اللہ، قال: هل تُصاؤونَ فی القمرِ لیلة البدرِ لیس ذؤنہ سحابٌ؟ قالوا: لا یأزسؤلُ اللہ، قال: فإنکم تروؤنہ کذلک))^(۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا سورج کو دیکھنے میں اس وقت تمہیں کوئی مشکل ہوتی ہے جب اس کے آگے بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اگر آسمان آبرآلود نہ ہو تو تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی اسی

طرح (بغیر کسی دشواری کے) قیامت کے روز دیکھو گے۔“

بعض روایات میں سے کہ ”صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم میں سے ہر (مسلمان)

شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب دو پہر کو سورج نکلا ہو اور بادل نہ ہوں تو کیا ہر شخص

اسے نہیں دیکھتا؟ لوگوں نے کہا: دیکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے! تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گے اور اس کے دیدار میں تمہیں کوئی مشقت نہ ہوگی جس طرح

سورج دیکھنے میں تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔“^(۲)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جہنم (ح- ۶۵۷۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب

معرفة طریق الرؤیة (ح- ۱۸۲)]

(۲) [کتاب السنۃ، لابن ابی عاصم، بہذیل حدیث (۴۴۵) محدث ناصر الدین البانی نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار

کیا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟

آنحضرت ﷺ نے معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے ہاں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور اس اختلاف کی بنیادی وجوہات دو ہیں: ایک تو معراج کے حوالے سے سورۃ النجم کی چند آیات کے مفہوم کی توضیح اور دوسری وجہ بعض صحابہ کے اقوال ہیں۔ جہاں تک سورۃ النجم کی آیات کے معنی و مفہوم کی توضیح و تعیین کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں ان آیات کو پہلے ملاحظہ کر لینا ضروری ہے۔

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وْحَىٰ مُوحًى عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْخَىٰ إِلَىٰ عِבْدِهِ مَا أُوحِيَ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَتَابِرِيٍّ وَقَدْ رَأَىٰ نَزْلَةَ الْخُرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ إِذْ يَنْفَعُ السَّلْوَةَ مَا يَفْتَشِي الْمَارَءِغَ الْبَصَرُ وَمَا طَفَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ [سورة النجم: ۱ تا ۱۸]

”قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ نیزھی راہ پر ہے اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے جو زور آور ہے۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ تحقیق اس نے ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا سدرۃ المنتہی کے پاس۔ اسی کے پاس جنة المساوی ہے۔ جب کہ سدرۃ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھپا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی، نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔“

ان آیات میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

(۱)..... معراج کے موقع پر آپ نے جو کچھ دیکھا وہ برحق تھا (دیکھیے آیات: ۱۱، ۱۲، ۱۷)

(۲)..... آپ نے زندگی میں دوسری مرتبہ کسی خاص ہستی کو دیکھا (دیکھیے آیت: ۱۳)

(۳)..... آپ نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں (دیکھیے آیت: ۱۸)

ان میں سے پہلی اور تیسری بات کا تعلق عالم بالا کی سیر، جنت اور جہنم کے مشاہدہ وغیرہ سے ہے اور یہی وہ نشانیاں تھیں جنہیں دکھانے کے لیے معراج کروائی گئی جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں معراج کا مقصد یہی بتایا گیا کہ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْکَ مِنْ آیٰتِنَا﴾ [سورہ بنی اسرائیل: آیت ۱]

”پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔“

سورہ نجم کی آیت ۱۸ کی طرح یہاں سورہ بنی اسرائیل میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ ہم نے آپ کو اپنی بعض نشانیاں دکھانی تھیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو اپنا دیدار کروانا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار بھی کروانا تھا تو یہ اتنی اہم بات تھی کہ اسے صراحت کے ساتھ یہاں ضرور بیان کیا جاتا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے مطالبے اور خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار نہیں کروایا جبکہ دوسری طرف بھی ایک نبی کا معاملہ ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروایا ہوتا تو اس خاص فضل الہی سے سکوت نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سورہ نجم کی آیات میں بیان ہونے والے اس نکتہ کہ..... ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ کسی ہستی کو دیکھا“..... کی وضاحت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں مشہور تابعی حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے ابو عائشہ! (یہ مسروق کی کنیت تھی) تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی نے ان میں سے ایک بھی بیان کی تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا۔ میں نے کہا وہ کون سی تین باتیں ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (ایک تو یہ ہے کہ) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ مسروق فرماتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا مگر یہ بات سن کر میں اٹھ بیٹھا اور عرض کیا: اے ام المؤمنین جلدی نہ فرمائیے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا:

﴿وَلَقَدْ زَاہ بِالْاَفْقِ الْمُبِیْنِ﴾ [سورہ التکویر: ۲۳] ﴿وَلَقَدْ زَاہ نَزْلَۃً اٰخِرٰی﴾ [سورہ النجم: ۱۳]

[یعنی حضرت مسروق کا مطلب یہ تھا کہ ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی خاص ہستی کو

دیکھا ہے اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی تھی جبکہ آپ اس بات کو غلط کہہ رہی ہیں، تو [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے میں نے ہی اللہ کے رسول سے ان آیات (سے پیدا ہونے والے شبہہ) کے متعلق دریافت کیا تھا اور آپ نے یہ جواب دیا تھا:

((إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ لَمْ آرَاهُ عَلَى صُوْرَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرْتِنِ ، رَأَيْتُهُ مِنْهُبِطًا مِنْ السَّمَاءِ سَادًا عِظَمَ خَلْقُهُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ))

”اس سے مراد تو جبریل علیہ السلام ہیں۔ میں نے جبریل کو ان کی اس اصلی صورت میں جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے، ان دو موقعوں کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دونوں مواقع پر) میں نے انہیں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا جبکہ ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔“

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (مسروق تابعی سے) فرمایا: کیا تم نے یہ آیات نہیں سنیں:

﴿ لَا تَدْرِيكَ الْآبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْآبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ [سورة الانعام: ۱۰۳]

”اس کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔“

﴿ مَا سَكَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِهِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴾ [سورة الشورى: ۵۱]

”یہ ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ (سنانے آ کر) کلام کرے مگر وہ وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے (کلام کرتا ہے) یا کسی فرشتہ کو بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کے حکم اور فضا سے (رسول پر) وحی کرتا ہے، بے شک اللہ برتر ہے، حکمت والا ہے۔“^(۱)

اس صحیح حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سورہ نجم میں جس ہستی کو دیکھنے کا ذکر ملتا ہے اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ اور یہی بات دیگر صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کی ہے۔^(۲)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل: ولقد رآه نزله اخری..... (ح-۱۷۷) نیز

دیکھئے: صحیح بخاری، ج-۴، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة النجم (ح-۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ

عزوجل: ولقد رآه نزله اخری..... (ح-۱۷۶ تا ۱۷۷)]

اختلاف کا دوسرا سبب

نبی اکرم ﷺ کے روایت باری تعالیٰ کے حوالے سے پیدا ہونے والے اختلاف کی بنیادی وجہ تو سورہ نجم کی آیات کے مفہوم کا تعین تھی مگر جب اس کے تعین میں صحابہ کا اختلاف ہوا تو آگے چل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال خود اہل علم کے لیے اس مسئلہ میں اختلاف کا دوسرا سبب بن گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت کعبؓ کے حوالے سے ایسی روایات ملتی ہیں جن میں ہے کہ..... ”آحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔“ مگر حضرت کعبؓ اور حضرت انسؓ سے مروی روایات کی استنادی حیثیت (ان کی ضعیف اسناد کی وجہ سے) مشکوک ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بعض روایات سند صحیح ثابت ہیں اور بعض سند صحیح ثابت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایات سند صحیح ثابت ہیں ان میں یا تو مطلق طور پر یہ ذکر ملتا ہے کہ

((رَأَى مُخْتَلِفَةً)) یعنی ”محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔“^(۱)

یا پھر قید (تفہیم) کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ہیں:

((رَأَاهُ بِقَلْبِهِ)) یعنی ”آحضرت ﷺ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔“^(۲)

ابن عباسؓ ہی سے مروی ایک صحیح روایت میں اس طرح بھی ہے کہ

((رَأَاهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ)) ”دو مرتبہ آپؐ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔“^(۳)

جبکہ ابن عباسؓ سے مروی وہ روایات سند صحیح ثابت نہیں ہیں جن میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں:

((إِنَّ النَّبِيَّ رَأَى رَبَّهُ بِعَيْنَيْهِ)) ”نبی ﷺ نے اپنی (سر کی) آنکھوں سے اللہ کو دیکھا ہے۔“^(۴)

گویا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ سے زیادہ یہی تھی کہ آحضرت ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے مگر اس کے باوجود دوسرے صحابہؓ (یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ) ان کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کرتے تھے۔

(۱) [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النجم (ج-۲۷۹، ۲۸۰)]

(۲) [صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب معنى قول الله عز وجل: ولقد رآه نزلة اخرى (ج-۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸)]

(۳) [صحيح مسلم ايضا (ج-۲۸۵، ۲۸۶)]

(۴) [ایسی روایات معاصم طبرانی، ابن مردودہ اور دیگر کتب تفسیر میں موجود ہیں]

آنحضرتؐ کی چند مرفوع احادیث سے فیصلہ

جمہور علمائے امت نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بجائے اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کے موقف کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ سے بسند صحیح کچھ ایسی احادیث مروی ہیں جن میں آپؐ کی یہ صراحت مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔ اس نوعیت کی احادیث درج ذیل ہیں۔

[۱]..... ((عن ابی ذر قال سألت رسول اللہ هل رأيت ربك؟ قال: نوراً أراه؟))^(۱)

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ وہاں تو نہ تھا، میں بھلا اپنے رب کو کیسے دیکھ سکتا تھا؟“

[۲]..... ((عن عبد اللہ بن شقیق قال: قلت لابی ذر: لورأيت رسول الله لساأنته، فقال: عن أئ شئء، ككنت تسأله؟ قال: ككنت أسأله: هل رأيت ربك؟ قال ابو ذر: قد سألته فقال: رأيت نوراً))^(۲)

عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہوتا تو میں آپ ﷺ سے ضرور سوال کر لیتا۔ حضرت ابو ذر نے کہا: تم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے؟ میں نے کہا کہ میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال تو میں نے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے کیا تھا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ میں نے بس ایک نور دیکھا تھا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا)

[۳]..... ((عن ابی موسیٰ قال: قام فینا رسول الله بخمس كلمات فقال: حجابه النور [وفی رواية ابی بکر: النار] لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره من خلقه))^(۳)

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور میں پانچ باتیں بتا میں..... (ان میں ایک یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پردے کو

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله: نور انی اراه (ح-۱۷۸)]

(۲) [صحیح مسلم، ایضاً (ح-۱۷۸، ۲۹۲)]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله عليه السلام: ان الله لابنم..... (ح-۱۷۹)]

ہٹا دے تو اس کے چہرے کی شعاعیں وہاں تک اس کی مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔“

مذکورہ بالا تینوں احادیث میں سے پہلی حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ..... ”میں بھلا اللہ کو کیسے دیکھ سکتا ہوں“ دوسری حدیث میں یہ تھا کہ..... ”میں نے تو بس ایک نور دیکھا تھا۔“ اور تیسری حدیث میں اس نور کی وضاحت ہو گئی کہ..... ”وہ اللہ تعالیٰ کا پردہ تھا۔“ اور معراج کے موقع پر یہ پردہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان حائل تھا، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی نوری پردہ ہی آپ دیکھ پائے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اپنا دیدار کروانا چاہیں گے تو اس نور کے پردہ کو اپنے سامنے سے ہٹا دیں گے جیسا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: کیا تمہیں کوئی چیز چاہیے کہ میں مزید تمہیں عطا کروں؟ جنتی کہیں گے: (یا اللہ!) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو منور نہیں فرمادیا؟ کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل نہیں فرمادیا؟ (اب بھلا ہمیں اور کیا چاہیے) آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أَعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيَّ رَهْمًا عَزَّ وَجَلَّ))^(۱)

”پھر اللہ تعالیٰ (دیدار کروانے کے لیے اپنے) پردے کو ہٹا دیں گے اور یہی دیدار الہی کی نعمت اہل جنت کے لیے سب سے پسندیدہ چیز ہوگی۔“

رؤیت باری تعالیٰ اور بعض ضعیف روایات:

اوپر بیان کردہ روایات تو وہ تھیں جو مستنداً و متناً بالکل صحیح ہیں اور ان سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معراج کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ جب کہ ان کے علاوہ بعض ایسی روایات بھی کتب احادیث و کتب تفسیر میں منقول ہیں جن کا مفہوم مذکورہ بالا روایات کے منافی اور جن کی اسناد غیر ثابت شدہ ہیں مثلاً تفسیر طبری میں ہے کہ محمد بن کعب قرظی نے چند صحابہ سے یہ روایت کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

((رَأَيْتُهُ بِفُؤَادِي مَرْتِينٍ)) "میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔" (۱)

[تفسیر طبری (ج ۲۴۵۲)]

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الریبذی نامی راوی ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایسی کوئی بات صحیح احادیث میں نہیں ملتی کہ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پردے ہٹا کر آنحضرت ﷺ کو اپنا دیدار کروایا ہو اور اپنے سامنے بٹھا کر گفتگو فرمائی ہو۔ اس لیے داعظمین کو بھی عامۃ الناس کے سامنے ایسی باتیں بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حالت خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

گزشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کسی انسان کے لیے ممکن نہیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوا اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ البتہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب (نیند) کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ ان روایات کو امام ترمذی، امام حاکم، امام سیوطی، حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس سلسلہ میں یکے بعد دیگرے تین روایات اپنی "جامع ترمذی" میں نقل کی ہیں ان میں سے سب سے طویل روایت درج ذیل ہے:

"حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے لیے نکلنے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بہت دیر لگادی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ پہنچا پھر جلدی جلدی آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی پھر آپ ﷺ نے مختصر (ہلکی) نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد اونچی آواز میں (لوگوں سے) فرمایا: اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے آنے میں دیر کیوں ہوئی، میں اس بارے تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں نماز تہجد کے لیے رات بیدار ہوا پھر وضو کر کے حسبِ توفیق نماز پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اُدگھ آنے لگی اور میں بوجھل ہو گیا پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے پاس ہوں اور میرا رب بہت ہی عمدہ صورت میں (مجھے دکھائی دیتا) ہے۔ مجھے رب تعالیٰ مخاطب فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ! میں کہتا ہوں: یارب! میں حاضر ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: "ملاء اعلى" (عالم بالا کے فرشتے) کس معاملے

میں بحث و تکرار کر رہے ہیں، تمہیں علم ہے؟ میں نے کہا: نہیں! تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ اللہ کی انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا (کہ عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: یارب میں حاضر ہوں! پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں؟

[ترمذی ہی کی دوسری روایت میں یہاں یہ ذکر بھی ہے کہ..... "میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے اور درجوں کے بارے میں تکرار کر رہے ہیں۔" (۱)]

جبکہ پہلی طویل روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں کہ [

اب میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے کے بارے میں۔ پھر اللہ نے فرمایا: پھر تم بتاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز باجماعت کے لیے قدم اٹھا کر جانا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور ناچاچتے ہوئے بھی مکمل وضو کرنا۔ پھر اللہ نے پوچھا: درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھانا، نرم کلام کرنا اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں، نماز پڑھنا۔" (۲)]

.....*.....

(۱) [جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر (ح: ۳۲۳)]

(۲) [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر (ح: ۳۲۴۱-۳۲۴۲)] امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: صحیح الترمذی (ح: ۲۵۸۱، ۲۵۸۰) محقق عبدالرزاق مہدی نے امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کی تخریج میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے: حدیث [۲۲۸۳] نیز امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث (حسن) صحیح ہے امام حاکم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: مستدرک حاکم (ج: ۱ ص: ۵۲۱) اس حدیث کے کئی اور شواہد بھی ہیں [دیکھئے: تفسیر الدر المشور (۵/۵۰۶ تا ۵/۵۰۹) احمد (۵/۲۴۳)] واضح رہے کہ اس روایت میں نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ اور عالم بالا کا مشاہدہ کرنا حالت بیداری ہی میں تھا یا خواب میں؟ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر کے بقول صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر مترجم (ج: ۴ ص: ۶۵) طبع، مکتبہ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند گمراہانہ نظریات!

(۱)..... عقیدہ وحدۃ الوجود [یعنی ہر چیز اللہ ہے معاذ اللہ]

جس طرح بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح بعض لوگوں نے ان کے برعکس ہر نظر آنے والی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کا حصہ قرار دے لیا اور کہا کہ جس طرح پانی بخارات میں تبدیل ہو یا برف کی شکل اختیار کرے، دونوں صورتوں میں اس کا وجود باقی رہتا ہے اور مناسب درجہ حرارت پر وہ دوبارہ پانی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے یا جس طرح سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی الگ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے..... معاذ اللہ!

اس نظریے کو وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ فارسی میں اس کے لیے ”ہمہ اوست“ [یعنی سب کچھ وہی (اللہ) ہے] کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق غلاظت کے ڈھیر اور پھولوں کے باغ، کافر و مشرک اور مومن و مسلم، پاکیزہ چیزیں اور نجاستیں سبھی کچھ برابر ہیں کیونکہ اس نظریے کی رو سے یہ سبھی چیزیں خدا ہیں..... نعوذ باللہ!

(۲)..... عقیدہ وحدۃ الشہود [یعنی سب کچھ اللہ کا پرتو (سایہ) ہے]

وحدت الوجود میں تو اللہ تعالیٰ کی مستقل ذات کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ سب موجودات کو اللہ قرار دیا جاتا ہے مگر وحدت الشہود میں یہ خیال کافر ماہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل ذات موجود ہے جب کہ کائنات اس اللہ کا سایہ، پرتو اور عکس ہے۔ وحدۃ الشہود کے قائل اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جس طرح شیشے یا پانی میں کسی چیز کا عکس دیکھا جاتا ہے اسی طرح کائنات اللہ کا عکس ہے اور جس طرح کسی چیز اور اس کے عکس کا باہمی تعلق ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور کائنات کا باہمی تعلق ہے۔ وحدت الشہود کو فارسی میں ’ہمہ از اوست‘ سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”جو کچھ بھی ہے سب اسی (خدا) کی طرف سے ہے۔“ اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ موجودات کا خالق اللہ ہی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں مگر وحدت الشہود

کے قائل اس سے یہ مراد نہیں لیتے بلکہ وحدت الشہود کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ”سب کچھ اللہ کا عکس (پرتو) ہے۔“ گویا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی بڑا فرق نہیں اور اگر کچھ فرق ہے بھی تو ان کے نتائج قریب قریب ایک ہی ہیں جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

(۳)..... عقیدہ حلول و اتحاد [یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں معاذ اللہ]

ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے ایک نظریہ اور عقیدہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی انسان کے جسم میں اتر آتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا (معاذ اللہ) اسے ’حلول‘ یا ’اتحاد‘ کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

وحدۃ الوجود، وحدت الشہود اور حلول و اتحاد

مذکورہ بالا تینوں نظریات کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ..... ”انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہوں سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے کائنات کی مختلف چیزیں مختلف صورتوں میں بالعموم نظر آتی ہیں۔ (اسے وحدۃ الوجود کا درجہ کہا جاتا ہے) پھر اگر وہ عبادت و ریاضت میں مزید ترقی کرنا چلا جائے تو اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اور اس طرح وہ انسان اور اللہ تعالیٰ ایک ہی ذات بن جاتے ہیں۔ اس درجہ کو فاسفی اللہ کہا جاتا ہے۔ اور پھر اگر وہ مزید عبادت و ریاضت میں ترقی کر لے اور اس کا نفس دنیوی خواہشات سے یکسر پاک صاف ہو جائے تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی ذات میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسے ”حلول“ یا ”اتحاد“ کہا جاتا ہے۔“

ان نظریات کی حقیقت کیا ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات سے ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کی کچھ وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

عقیدہ حلول و اتحاد

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں انسانوں کو اپنا دیدار نہیں کرواتے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑنے والی معمولی سی جلی کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس لیے یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی

کہ اللہ تعالیٰ اپنا عرش چھوڑ کر کسی انسان کے جسم میں داخل ہو جائیں یا کسی انسانی شکل میں نمودار ہو کر دنیا کا رخ اختیار کر لیں بلکہ یہود و نصاریٰ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں نمودار ہوئے، ان کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی اور ان کے اس نظریے کو کفر سے تعبیر فرمایا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [سورة المائدة: ۷۳]

”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔“

ہندومت ایک قدیم مذہب ہے اس میں بھی حلول کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ عقیدہ اوتار کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی خاص مقصد کے تحت انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آجاتے ہیں اور جس شخص کی شکل اللہ اختیار کرتا ہے، اسے اللہ کا ’اوتار‘ کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے بقول دس مرتبہ اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ (معاذ اللہ)

مسلمانوں میں عقیدہ حلول کی داغ بیل ڈالنے والا عبد اللہ بن سبام نامی ایک یہودی تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ کا جانشین اور خدائی صفات کا مظہر قرار دیتا تھا۔ اس نے جلد ہی اپنے معتقدین کی ایک جماعت بھی تیار کر لی۔ ایک دن اس کے کچھ عقیدت مند علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے نظریے کا پرچار کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے ان کی باتیں سن لیں۔ انہوں نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدائی صفات مانتے ہیں۔ آپ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تم کیا نظریات رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب اور خالق و رازق ہیں۔ آپ نے کہا: تم پر افسوس ہے میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج بھی ہوں۔ اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر ملے گا اور اگر اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے بھی سزا دے گا لہذا تم بھی اس خدا سے ڈرو اور اپنے خیالات سے تائب ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر آپ نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ پھر بھی اپنے نظریات پر قائم رہے حتیٰ کہ تین مرتبہ انہیں سمجھانے کے باوجود جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ باز نہیں آتے تو انہوں نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ ان میں سے جو لوگ بچ گئے وہ اپنے نظریات میں اور پختہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

میں چونکہ خدائی صفات ہیں، اس لیے انہوں نے آگ کا عذاب دیا ہے۔^(۱)

یہ نظریات مخفی طور پر پھیلنے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں میں صوفیاء کے گروہ اس سے زیادہ متاثر ہوئے مثلاً حسین بن منصور حلاج (م۔ ۳۰۹ھ) عبدالکریم (م۔ ۸۲۰ھ) وغیرہ ایسے صوفی ہو گزرے ہیں جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں اللہ تعالیٰ نے حلول کر لیا ہے۔ نعوذ باللہ!

عقیدہ حلول کے اثرات آج بھی بعض مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ ایک تو ان نعتوں سے ہوتا ہے جن میں فرط محبت سے شاعر اللہ کے رسول ﷺ کی ذات میں خدائی صفات ثابت کرنے لگتا ہے اور دوسرا بعض صوفیاء کے عجیب و غریب واقعات سے بھی ہوتا ہے مثلاً ”حقیقت وحدت الوجود“ کے

مصنف عبدالکیم انصاری اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۰، ۶۱ پر اس طرح کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”ہمارے ایک چشتیہ خاندان کے پیر بھائی تھے جو صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ صاحب اجازت

تھے اور ان کے بہت سے مرید بھی تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو ہم مل کر چائے پینے لگے۔ چائے

پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر کیفیت کے آثار نمایاں ہوئے، چہرہ سرخ ہو گیا، آنکھوں میں لال

لال ڈورے ابھر آئے۔ پھر کچھ نشہ کی سی حالت طاری ہوئی۔ یکا یک صوفی جی نے سر اٹھایا اور کہنے

لگے: ”بھائی جان! میں خدا ہوں۔“ اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے

صوفی جی سے کہا: ”آپ خدا ہیں، تو اسے جوڑ دیجیے۔“ صوفی جی نے دونوں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر

ان پر توجہ فرمائی لیکن کیا بننا تھا۔ ساتھ ہی ان کی وہ کیفیت بھی غائب ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خدائی

کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اس پر صوفی جی کہنے لگے: ”پھر یہ آخر سب کچھ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا:

”کیا؟“ وہ بولے کہ ”یہی وحدت الوجود! میرے خیال میں تو یہ سب ایک کیفیت ہے حقیقت نہیں ہے“

میں نے کہا: ”واقعی آپ نے پتہ کی بات کہی، وحدت الوجود ایک بہت بڑی کیفیت ہے، حقیقت نہیں

ہے۔“ صوفی جی نے کہا: ”تو کیا حضرت ابن عربی جیسے عظیم الشان بزرگ نے بھی غلطی کی ہے۔“ میں

نے کہا: ”ابن عربی نبی تو نہیں تھے، ولی ہی تھے اور اولیاء سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن

میرے خیال میں حق یہ ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی بلکہ ان کو غلط نہیں ہوئی جیسی کہ ابھی آپ کو اپنے

(۱) [فتح الباری شرح صحیح بخاری (ج ۱۲ ص ۲۳۸) بحوالہ: شریعت و طریقت از عبد الرحمن

(۲) [بحوالہ: شریعت و طریقت (ص: ۹۴)]

کیلائی (ص: ۶۷، ۶۸)]

بارے میں ہوگئی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کی کیفیت صرف چند لمحوں کے لیے تھی اس لیے غلط فہمی بھی چند لمحے رہی، لیکن ابن عربی چونکہ اپنے سلوک کے اختتام پر آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اس لیے ان کی غلط فہمی دور نہ ہوئی۔“

عقیدہ وحدت الوجود

یہ نظریہ کہ..... ”خدا کوئی ایک ذات نہیں بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے“..... وحدت الوجود کہلاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں دور دور تک اس نظریے کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام کے زمانوں میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے۔ البتہ عباسی دور میں جب یونانی، ہندی اور دیگر کتابوں کے ترجمے عربی میں کیے گئے تو ان میں یہ نظریہ موجود تھا۔ چنانچہ پھر مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس نظریے سے متاثر ہونے لگے حتیٰ کہ ساتویں صدی ہجری میں ابن عربی جیسے مشہور صوفی نے کتابیں لکھ کر اس نظریے کو باقاعدہ شکل دی اور اسے اسلامی بنانے کے لیے قرآن وحدیث میں تاویلات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ ابن عربی کے بعد وحدت الوجود کا عقیدہ اتنا مقبول ہوا کہ اسے نہ ماننے والوں پر کفر و شرک کے فتوے لگنا شروع ہو گئے حتیٰ کہ جب بلا عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ہندوستان میں شیخ مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی وحدت الوجود کے خلاف علمی کوششیں شروع ہوئیں تو تب جا کر وحدت الوجود کا سیلاب تھا اور اسے صریح کفریہ و شرکیہ عقیدہ سمجھا جانے لگا۔

وحدت الوجود ایسا نظریہ ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ..... ”مخلوق اور خالق میں کوئی فرق نہیں..... معبود اور عابد میں کوئی امتیاز نہیں..... کفر اور ایمان میں کوئی اختلاف نہیں..... نجاست اور طہارت میں کوئی تقاضا نہیں..... علم اور جہالت میں کوئی تعارض نہیں..... زندگی اور موت میں کوئی تناقض نہیں.....!“

ظاہر ہے کہ اگر ان باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن وحدیث کی (معاذ اللہ) دھجیاں بکھر جائیں گی کیونکہ قرآن وحدیث میں خالق اور مخلوق کا، رازق اور مرزوق کا، عابد اور معبود کا فرق بیان کیا گیا ہے اور ایمان و توحید اور کفر و شرک کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ اہل جنت اور اہل جہنم میں حد فاصل قائم کی گئی ہے۔ نجاست و طہارت، حلال و حرام اور علم و جہالت میں بُعد واضح کیا گیا ہے۔

اور اگر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو تسلیم کیا جائے تو وحدت الوجود کے لیے قبولیت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے وحدت الوجود قرآن وحدیث کے صریح منافی اور ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

وحدت الشہود

یہ نظریہ کہ..... ”کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا سایہ ہے وجود نہیں بلکہ وجود ان سے جدا ہے“..... یہ وحدت الشہود کہلاتا ہے۔ اس میں وحدت الوجود کے برعکس یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل ذات ہے جو اس کی مخلوق سے جدا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا پرتو (سایہ) ہے۔ یہ نظریہ بھی بڑے بڑے صوفیا میں مشہور و مقبول رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی کئی ایک قباحتیں ہیں مثلاً:

(۱)..... اول تو اس نظریہ کی تائید قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔

(۲)..... صحابہ کرام اور تابعین عظام بلکہ پورے خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر یہ ایسا ہی ضروری اسلامی عقیدہ تھا تو اس کی مثال کم از کم ائمہ سلف سے ضرور ملنی چاہیے تھی۔

(۳)..... کسی چیز کا سایہ ہمیشہ اپنے اصل سے قائم رہتا ہے۔ اگر اصل میں اتار چڑھاؤ، کمی بیشی یا کسی اور طرح کی تبدیلی واقع ہو تو سایہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ کائنات کو اگر اللہ کا سایہ تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کائنات میں ہونے والی تبدیلیاں دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود میں ہونے والی تبدیلیوں کا اشارہ ہے۔ یعنی کائنات میں اشیاء کا فنا و زوال سے دوچار ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ میں نقص واقع ہو رہا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا [اور حقیقت بھی یہی ہے] تو پھر لازماً یہ ماننا ہوگا کہ کائنات اللہ کا سایہ و پرتو نہیں ہے۔

(۴)..... قرآن و حدیث کے بیان کے مطابق کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے ایک روز یہ ساری کی ساری فنا ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو کوئی فنا نہیں۔

(۵)..... سایہ اور وجود میں جو مضبوط تعلق ہوتا ہے، اگر کائنات کو خدا کا سایہ قرار دے دیا جائے تو وہی تعلق اللہ اور کائنات کے درمیان بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح وحدت الشہود بھی قریب قریب وہی صورت اختیار کر لے گا جو وحدت الوجود کی ہے۔ اور جب وحدت الوجود غیر اسلامی عقیدہ ہے تو پھر وحدت الشہود کو بھی اسلامی عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عقیدہ وحدۃ الوجود، شہود اور حلول کے حق میں دیے جانے والے دلائل کی حقیقت

حلول، وجود اور شہود جیسے غیر اسلامی نظریات کو اسلامی بنانے کے لیے ایک طرف جعلی احادیث بنا کر اللہ

کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں اور دوسری طرف قرآن مجید اور صحیح احادیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھولا گیا۔ آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

باطل نظریات کے تائید میں بنائی گئی چند جھوٹی احادیث

(۱)..... ((اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ))

”مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“

یہ روایت جتنی اسناد سے مروی ہے ان میں سے کوئی ایک سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔ امام ابن جوزی، محدث ناصر الدین البانی، اور امام ابن عدی وغیرہ نے اسے انتہائی کمزور روایت قرار دیا ہے۔^(۱)

(۲)..... ((لَوْ لَأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْآفَلَكَ))

”اے محمد ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔“

اس حدیث کو محدثین نے موضوع (یعنی جعلی اور من گھڑت) روایت قرار دیا ہے۔^(۲)

(۳)..... ((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ))

”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

اس حدیث کو بھی محدثین نے جھوٹی اور باطل روایت کہا ہے۔^(۳)

(۴)..... ((كُنْتُ كَنْزًا لَا أُعْرِفُ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ خَلْقًا))

”میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں چنانچہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔“

اس حدیث کو بھی محدثین نے جھوٹی روایت کہا ہے۔^(۴)

مذکورہ بالا تمام روایات جھوٹی اور خود ساختہ ہیں۔ اسی طرح کی کچھ اور جعلی روایات بھی صوفیا کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ان روایات سے مذکورہ بالا گمراہانہ نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں سے

(۱) [تفصیلات کے لیے دیکھیے: جامع الترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن سورة الحجر... (ج ۳: ۳۱۲۷) حلیۃ الاولیاء

(ج ۱۰ ص ۲۸۱) الضعفاء للمعقلی (ج ۴ ص ۱۲۹) الموضوعات لابن جوزی (۱۴۵:۳) الکامل فی

الضعفاء (۲۱۰:۱) تاریخ بغداد (۲۴۲:۷) ضعیف الجامع الصغیر (۱۲۷) المعجم الکبیر (۷۴۹:۷) مجمع

الروائد (۲۶۸:۱۰) المقاصد الحسنة (۳۳) السلسلة الضعيفة (ج ۴ ص: ۳۰۲، ۲۹۹)

(۲) [دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الضعيفة والموضوعة از شیخ البانی (ج ۱ ص ۴۵۱) رقم الحدیث (۲۸۲)]

(۳) [البصا: ج ۶۶] (۴) [تذکرۃ الموضوعات (۱۱) اسرار المرفوعة (۲۷۳) تنزیہ الشریعة (ج ۱ ص ۱۴۸)]

استدلال کیا جاتا ہے مگر جب یہ روایات ہی صحیح ثابت نہیں تو ان سے استدلال بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں قارئین کو میں یہ نصیحت بھی کرنا چاہوں گا کہ دین کے معاملے میں ہمیشہ صحیح احادیث کو پیش نظر رکھا کریں اور ایسی کتابوں کا انتخاب کیا کریں جن میں احادیث کی تحقیق و تخریج کا اہتمام بھی ہو۔

آیات قرآنی اور صحیح احادیث سے غلط استدلال

اسی طرح ان گراہانہ عقائد کو صحیح اسلامی عقائد ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید اور صحیح احادیث میں تخریف و تاویل کا دروازہ بھی کھولا گیا مثلاً قرآن مجید میں مذکور ان آیات جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ یا تمہارے قریب ہیں، سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے حالانکہ یہ بات صریح طور پر غلط ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کی تفصیلات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح بعض صحیح احادیث سے غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کی گئی مثلاً بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے لیے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے محبوب وہ عبادتیں ہیں جو میں نے فرض کی ہیں اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ (کسی دشمن سے) میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی چیز کے بارے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے وقت ہوتا ہے۔ میرا بندہ تو جسمانی تکلیف کی وجہ سے موت کو پسند نہیں کرتا جب کہ مجھے بھی اسے (موت کی) تکلیف دینا برا لگتا ہے۔“ (۱)

اتحادی اور طولی عقیدہ رکھنے والے اس حدیث سے یہ معنی کشید کرتے ہیں کہ انسان عبادت و ریاضت کے بعد فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور اس میں اور اللہ میں جسمانی طور پر کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب النواضع (ح ۶۵۰۲)]

حالانکہ اس حدیث کا آخری حصہ اس بات کی صاف نفی کرتا ہے کیونکہ آخری الفاظ میں بندے اور رب میں فرق کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بندہ اللہ سے سوال کرے یا پناہ طلب کرے تو اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔ اگر بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر عین اللہ ہی بن جاتا ہے تو پھر وہ سوال کس سے کرتا ہے؟ اور پناہ کس سے مانگتا ہے؟؟

ظاہر ہے کہ بندہ بندہ ہی رہتا ہے معاذ اللہ خدا نہیں بن جاتا! اور اگر وہ خدا بن جاتا ہے تو اسے موت کیوں آتی ہے.....؟؟

باقی رہا اللہ کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بننے کا سوال تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے سبھی اعضاء اللہ کے حکم کے تابع فرمان بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے کان سے وہی سنتا ہے جو اللہ کو پسند ہوتا ہے۔ اپنی آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اسی طرح اس کے ہاتھ اور پاؤں کی ہر حرکت اللہ کے احکام کے مطابق ہو جاتی ہے۔

.....*.....

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں سے مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِقُونَ فِي الْأَسْمَاءِ بِسُجُودَ مَا كَانُوا
يَتَمَلَّكُونَ﴾ [سورۃ الاعراف: ۱۸۰]

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں سے اللہ تعالیٰ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔“

اس آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

(۱)..... اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اور ان کے ساتھ ہی اللہ کو پکارنا چاہیے۔

(۲)..... ان ناموں میں تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں سے نفرت کرنی چاہیے۔

(۳)..... تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو روز قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن اچھے ناموں کا یہاں تذکرہ کیا ہے، وہ چونکہ لامحدود ہیں اس لیے ان کی مکمل فہرست قرآن وحدیث میں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ جزوی طور پر بعض اسماء قرآن مجید میں اور بعض احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ننانوے نام یکجا بیان ہوئے ہیں مگر اس حدیث کی سند کو بعض محدثین صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

((إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ))^(۱)

”اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں جس نے انہیں یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔“

اس صحیح حدیث سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱)..... کیا اللہ کے نام صرف ننانوے (۹۹) ہیں؟

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب لله تعالیٰ مائة اسم غیر واحد (ح- ۲۷۳۶) صحیح مسلم، کتاب

(۲)..... اس حدیث میں مذکور ننانوے نام کون سے ہیں؟

(۳)..... انہیں شمار (یاد) کرنے سے کیا مراد ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صرف ننانوے نام نہیں ہیں بلکہ ننانوے سے زیادہ ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے سے زیادہ نام مذکور ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں خود نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

((أَسْأَلُكَ بِكُلِّ لِسَانٍ اسْمُهُ هُوَ لَكَ سَمِعْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ عَلِمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ اسْتَأْثَرْتُ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ)) [مسند احمد (ج ۱ ص ۳۹۱)]

” (یا اللہ!) میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کے لیے تجویز کیا ہے یا جو تو نے اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا جو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا جو اپنے نبی علم میں تو نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔“

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں کہیں اور یہ صراحت نہیں کی گئی کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جن ننانوے ناموں کی فضیلت بیان ہوئی ہے، وہ کون سے ہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے اس کا تعین کرنے کے لیے ان روایات کا سہارا لیا ہے جن میں ننانوے ناموں کی فہرست موجود ہے بلکہ ننانوے سے بھی کچھ زیادہ ناموں کا تذکرہ ان میں ہے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی بسند صحیح ثابت نہیں۔ اس لیے ننانوے ناموں سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثابت شدہ کوئی بھی ننانوے نام ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم!

(۳) جہاں تک تیسرے سوال کا تعلق ہے..... یعنی انہیں شمار (یاد) کرنے سے کیا مراد ہے؟..... تو اس سلسلہ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو ان ناموں کو یاد کرنے والا، ان کے معنی و مفہوم کو سیکھنے والا، ان کے معانی پر صدق دل سے عمل کرنے والا ہو وہ جنت میں داخلے کی بشارت حاصل کر لے گا، ورنہ محض اللہ کے نام یاد کر لینا اور اس کے احکام پر عمل نہ کرنا بے فائدہ ہے۔

قرآن و حدیث سے اسمائے حسنی بیان کرنے کا اصول

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں وہ تمام اسماء شامل ہوں گے جن کا قرآن مجید یا صحیح احادیث میں ذکر ملتا

ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان ہونے والے ہر فعل اور ہر صفت سے اللہ تعالیٰ کا نام متعین کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً قرآن مجید کی بعض آیات میں ہے کہ

﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَدِيعُهُمْ﴾ [سورة النساء: ۱۴۲]

”بے شک منافقین اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے۔“

﴿وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللَّيْلِ﴾ [سورة آل عمران: ۵۴]

”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔“

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ [سورة البقرة: ۱۵۰]

”اللہ تعالیٰ بھی ان سے مزاح کرتا ہے۔“

اب ان آیات کی روشنی میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بالترتیب منقادع (دھوکا باز) ماسکر (مکر و فریب کرنے والا) مستہزی (مزاح اور ٹھنڈہ کرنے والا) کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ یہ الفاظ منافقین اور کفار کی سرزنش کے لیے مخصوص پس منظر میں بطور محاورہ یا علم بلاغت کی رو سے بطور مشاکلہ استعمال ہوئے ہیں، اس لیے ان سے اسم فاعل بنا کر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں انہیں شامل کرنا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے بلکہ بعض مواقع پر تو اس طرح کرنے سے کفر لازم آ سکتا ہے۔

اسی طرح بعض اسماء ایسے ہیں جو جوڑے کی شکل میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً المعزز، المذل (عزت دینے والا، ذلیل کرنے والا) القابض، الباسط (تنگی کرنے والا، کشادگی کرنے والا) السافع، الضار (نفع دینے والا، نقصان دینے والا) ان اسماء کو بیان کرنے کے لیے مناسب و احوط طریقہ یہ ہے کہ انہیں جوڑے کی شکل میں بیان کیا جائے ان کا علیحدہ علیحدہ شکل میں استعمال جہات پیدا کرتا ہے۔

قرآن وحدیث سے ثابت شدہ بعض اسماء حسنیٰ

۱۔ اللہ	۲۔ اَلرَّبُّ	۳۔ اَلْاِلهُ	۴۔ الْوَاحِدُ
۵۔ الرَّحْمٰنُ	۶۔ الرَّحِیْمُ	۷۔ الْمَلِکُ	۸۔ الْقَلْبُوسُ
۹۔ السَّلَامُ	۱۰۔ الْمُؤْمِنُ	۱۱۔ الْمُهَيَّبُ	۱۲۔ الْعَزِيزُ
۱۳۔ الْحَبَّارُ	۱۴۔ الْمُتَكَبِّرُ	۱۵۔ الْخَالِقُ	۱۶۔ الْبَارِیُّ

۱۷۔ المَصُور	۱۸۔ الآوَل	۱۹۔ الآخر	۲۰۔ الظَّاهِر
۲۱۔ البَّاطِن	۲۲۔ الحَيُّ	۲۳۔ القِيُوم	۲۴۔ العَلِيُّ
۲۵۔ العَظِيم	۲۶۔ التَّوَاب	۲۷۔ الحَلِيم	۲۸۔ الوَّاسِع
۲۹۔ الحَكِيم	۳۰۔ الشَّاكِر	۳۱۔ العَلِيم	۳۲۔ الغَنِيُّ
۳۳۔ الكَرِيم	۳۴۔ العَفُوُّ	۳۵۔ القَدِير	۳۶۔ اللُّطِيف
۳۷۔ الحَبِير	۳۸۔ السَّمِيع	۳۹۔ البَصِير	۴۰۔ المَوْلَى
۴۱۔ النَّصِير	۴۲۔ القَرِيب	۴۳۔ المُجِيب	۴۴۔ الرَّقِيب
۴۵۔ الحَسِيب	۴۶۔ القَوِيُّ	۴۷۔ الشَّهِيد	۴۸۔ الحَاجِد
۴۹۔ المَجِيد	۵۰۔ المُحِيط	۵۱۔ الحَفِيز	۵۲۔ الحَقُّ
۵۳۔ المُبِين	۵۴۔ العَفَّار	۵۵۔ القَهَّار	۵۶۔ الخَلَّاق
۵۷۔ الفَتَّاح	۵۸۔ الوُدُود	۵۹۔ العَفُور	۶۰۔ الكَرُوف
۶۱۔ الشُّكُور	۶۲۔ الكَبِير	۶۳۔ المَتَعَال	۶۴۔ المَقِيَّت
۶۵۔ المُسْتَعَان	۶۶۔ الوَهَّاب	۶۷۔ الحَفِيضِي	۶۸۔ الوَارِث
۶۹۔ الوَلِيُّ	۷۰۔ القَائِم	۷۱۔ القَادِر	۷۲۔ العَالِب
۷۳۔ القَاهِر	۷۴۔ الكَبِير	۷۵۔ الحَافِظ	۷۶۔ الأَحَد
۷۷۔ الصَّمَدُ	۷۸۔ المَلِيكُ	۷۹۔ المُقْتَدِر	۸۰۔ الوَكِيل
۸۱۔ الهَادِي	۸۲۔ الكَفِيل	۸۳۔ الكَانِي	۸۴۔ الأَكْرَم
۸۵۔ الأَعْلَى	۸۶۔ الرَّازِقُ	۸۷۔ ذُو القُوَّةِ المَتِين	۸۸۔ غَافِرُ الذَّنْبِ
۸۹۔ قَابِلُ التَّوْبِ	۹۰۔ شَدِيدُ العِقَابِ	۹۱۔ ذُو الطُّولِ	۹۲۔ رَفِيعُ المَرَجَاتِ
۹۳۔ سَرِيعُ الحِسَابِ	۹۴۔ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ	۹۵۔ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ	۹۶۔ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ
۹۷۔ مَلِكُ السَّمَوَاتِ	۹۸۔ ذُو الحَلَالِ	۹۹۔ وَالإِكْرَامِ

کیا خدا اللہ کا نام ہے؟

اردو اور فارسی زبان میں لفظ خدا کو اللہ تعالیٰ کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں استعمال نہیں ہوا اور ویسے بھی یہ لفظ 'فارسی' کا ہے عربی کا نہیں۔ لفظ خدا کو اللہ کے لیے استعمال کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم اسے جائز کہتے ہیں اور انہوں نے فارسی اور اردو زبان میں لفظ خدا کو بکثرت استعمال کیا ہے مگر چند ایک اہل علم نے درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس لفظ کے استعمال کو نامناسب قرار دیا ہے کہ

(۱)..... اول تو اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث میں بیان شدہ اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں۔

(۲)..... دوم اس لیے کہ مجوسی اپنے معبود کے لیے خدا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس کا استعمال ان سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔

(۳)..... سوم اس لیے کہ خدا کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا' اور یہ ترجمہ اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کا نہیں ہے۔

(۴)..... چہارم اس لیے کہ اسے لفظ اللہ کا مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اس کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔

لفظ 'خدا' کے استعمال کو جائز قرار دینے والے اس کے جواز کے سلسلہ میں عموماً یہ جواب دیتے ہیں:

(۱)..... اہل عرب اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ 'اللہ' اور لفظ 'اللہ' کا استعمال نزول قرآن سے بہت پہلے ہی سے

کرتے چلے آ رہے تھے اور خود قرآن مجید نے بھی ان کے اس لفظ کو برقرار رکھا۔ البتہ اللہ کے بارے

میں ان کے جو نظریات غلط تھے ان کی تردید کی۔ اسی طرح لفظ خدا بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا جاتا تھا

جس میں لفظ اللہ استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اگر لفظ اللہ کو غلط قرار نہیں دیا گیا تو لفظ خدا کا استعمال بھی

غلط قرار نہیں دیا جاسکتا البتہ اگر لفظ خدا کے پیچھے کوئی غلط تصورات موجود ہوں تو ان کی نفی کی جانی چاہیے۔

(۲)..... مجوسی اپنے معبود کے لیے صرف لفظ خدا استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں دو معبودوں کا تصور

ہے ایک نیکی اور خیر کا جسے 'خدائے بڑا' کہا جاتا ہے اور دوسرا برائی، نقصان اور شر کا جسے 'خدائے

اہرمن' کہا جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اپنے معبودوں کے لیے اصل لفظ 'بڑا' اور 'اہرمن' ہے اور خدا

ضمنی لفظ ہے۔ اس لیے لفظ خدا کے استعمال سے ان سے مشابہت پیدا نہیں ہوتی۔

(۳)..... لفظ 'خدا' کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا'..... اگرچہ صریح طور پر اس ترجمے کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم پر نہیں ہوتا مگر اس کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے 'الاول' کے مفہوم کے قریب ہے۔

(۴)..... لفظ اللہ، اللہ (ا۔ل۔ہ) سے بنا ہے اس لیے اس کا کوئی نہ کوئی ترجمہ تو ضرور ہوگا۔ اگر اس کا ترجمہ کرنا درست نہیں تو پھر بھی اس سے لفظ خدا کے استعمال پر کوئی تدغین نہیں لگتی کیونکہ لفظ خدا لفظ اللہ کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ اللہ سے حقیقی معبود کا جو تصور پیدا ہوتا ہے، لفظ خدا بھی اسی تصور کی ترجمانی کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح انگلش میں اللہ کے لیے لفظ (God) کا استعمال جائز ہے۔

حاصل بحث: مذکورہ بالا بحث کے بعد ہمارے سامنے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لفظ خدا کے استعمال سے جہاں تک ہو سکے، اجتناب کیا جائے البتہ اگر اس کا استعمال کر بھی لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اور پاک و ہند کے بیشتر اہل علم کا یہی موقف رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ان علماء کی وہ کتابیں ہیں جن میں بکثرت لفظ خدا کا استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بے شمار عرب علمائے بھی اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے بطور تائید ذیل میں عرب علماء کا ایک فتویٰ درج کیا جاتا ہے:

سوال: میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا سوال پیش کر رہا ہوں جس پر ہمارے علما کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو یقینی ہیں یعنی جو صفات قرآن و سنت سے ثابت ہیں انہیں ثابت مانا جائے اور جو ثابت نہیں ان پر خاموشی اختیار کی جائے۔ لہذا اس اصول کے پیش نظر آیا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے فارسی زبان کے لفظ خدا یا پشتو کے لفظ خسدا یا انگریزی کے لفظ "God" یا اسی طرح کے کسی اور لفظ کو استعمال کر سکتا ہے؟ اور آیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی ایسے لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو قرآن و سنت میں موجود نہیں تو ایسا کرنے سے کہیں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی رو سے ٹھہ (بے دین، زندیق) قرار تو نہیں پاتا؟ ﴿وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِقُونَ فِي أَسْمَاءِهِ سَبْعُونَ مَثَلًا لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ [الاعراف۔ ۱۸۰]

جب کہ دوسری طرف بعض علماء وہ ہیں جو اس کے جواز کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ لفظ

جبرائیل میں ایل، عبرانی زبان میں لفظ 'اللہ' کے مترادف ہے اور جب اللہ کا نام عبرانی زبان میں بدلنا جائز ہے تو کسی اور زبان میں بھی یہ منع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آیا ان علماء کی یہ توجیہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء کا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مستفید فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیر!!

جواب: الحمد للہ وحدہ والصلاة والسلام علی رسولہ والہ وصحبہ وبعد! جو شخص عربی زبان کو نہیں سمجھتا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح دین سمجھانے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ ترجمہ کرنے والوں نے زبانوں پر عبور رکھتا ہو۔ وسوالہ التوفیق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

[۱] عبد اللہ بن قعود

[۲] عبد اللہ بن عدیان

[۳] عبدالرزاق عقیفی (نائب رئیس اللجنة)

[۴] عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز (رئیس اللجنة) ^(۱)



(۱) [فتاویٰ اللجنة الدائمة..... مرتب احمد الدرویش (ج: ۳، ص: ۱۲۲۔ رقم الفتویٰ: ۸۱۱۵)]

انسان ایک تعارف

انسانی تخلیق کا آغاز اور نظریہ ارتقاء:

انسان کی پیدائش کب، کیسے اور کیونکر ہوئی؟ اس سلسلہ میں اقوام عالم میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں جبکہ قرآن مجید اس بارے میں اپنا ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے اور بحیثیت مسلمان وہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کی تفصیلات ذکر کریں گے مگر اس سے پہلے انسانی پیدائش کے بارے میں ایک اہم نظریہ جسے ”نظریہ ارتقاء“ (Theory Of Evolution) کہا جاتا ہے، کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس نظریے نے نہ صرف یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے غیر مسلم سائنسدانوں کو متاثر کیا بلکہ مسلم دانشوروں کا بھی ایک طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ

”انسان اور دیگر حیوانات شروع ہی سے اس طرح پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ آج کل پیدا ہوتے دکھائی دیتے ہیں بلکہ اربوں کھربوں سال پہلے سمندروں کے ساحلوں پر موجود پانی میں مختلف کیمیائی تبدیلیوں سے خود بخود کائی پیدا ہوئی، پھر اس سے نباتات کی مختلف شکلیں نمودار ہوتی چلی گئیں، پھر کروڑوں سالوں بعد انہی سے مک خلوی اور سہ خلوی جاندار پیدا ہوئے پھر مزید کروڑوں سال کے بعد انہی سے چھوٹے چھوٹے حیوانات وحشرات پیدا ہونے لگے، اور پھر یہی حیوانات وحشرات مزید ارتقاء کے بعد ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور بندروں وغیرہ کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ انہی بندروں میں سے ایک خاص قسم نے انسانی شکل اختیار کر لی اور پھر انہی بندر نما انسانوں میں لاکھوں سال بعد جب عقل و شعور کا ارتقاء ہوا تو انہوں نے غاروں اور جنگلوں میں مل جل کر رہنا شروع کر دیا۔“

محققین اس نظریہ کے قلابے زمانہ قدیم کے غیر مسلم فلاسفہ (مثلاً ارسطو وغیرہ) سے ملاتے ہیں جب کہ انیسویں صدی میں چارلس ڈارون نے Origin Of Spicies (أصل الأنواع) نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو باقاعدہ شکل دی۔ چونکہ یہ نظریہ مادیت و دہریت پر مبنی تھا اس لیے مادہ پرست اور منکرین خدا قسم کے لوگوں کے ہاں یہ بڑا مقبول ہوا اور جن دلائل کے ساتھ اسے تقویت دی گئی تھی، اس سے کئی

مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ بالخصوص ماضی قریب کے مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنواؤں نے نہ صرف یہ کہ نظریہ ارتقاء جزوی ترمیم کے ساتھ قبول کر لیا بلکہ اسے عین قرآنی نظریہ ثابت کرنے کے لیے نصوص قرآنی میں جابجا تحریفات و تاویلات کا بھی سہارا لیا۔ اس کی تفصیلات پرویز کی مختلف کتابوں (مثلاً ابلیس و آدم، مطالب الفرقان وغیرہ) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

کچھ یہی صورتحال ان سے پہلے سرسید احمد خان، مفتی محمد عبدہ مصری وغیرہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد رفیع الدین بھی نظریہ ارتقاء سے سخت متاثر ہوئے اور اپنی کتاب ”قرآن اور علم جدید“ میں جدید مغربی نظریات کی تردید کرتے ہوئے نظریہ ارتقاء کی بہت سی باتوں کو عین قرآنی ثابت کرنے کی کوشش کر گزرے۔ نظریہ ارتقاء کی تائید و حمایت کرنے والے کچھ دیگر مسلم مفکرین کا بھی یہاں نام لیا جاسکتا ہے جو نظریہ ارتقاء کے اثبات کے سلسلہ میں بعض قرآنی آیات کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن آیات سے یہ استشہاد کرتے ہیں، ان سے نظریہ ارتقاء کی وہ صورت اس وقت تک متشکل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان قرآنی آیات کی دُور آزار تاویلات بلکہ معنوی تحریفات اور صحیح احادیث نبویہ کا صاف انکار نہ کر دیا جائے اور نظریہ ارتقاء کے بعض مؤیدین نے فی الواقع یہ دونوں ارتکاب کئے بھی ہیں!۔

نظریہ ارتقاء چونکہ عقل و وحی کی میزان میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہو چکا ہے اور اس کے ابطال پر غیر مسلم سائنس دانوں کی تحقیقات بھی منظر عام پر آچکی ہیں اس لیے ہم اس کی تردید و ابطال میں صفحات سیاہ کرنے کی بجائے نظریہ ارتقاء پر اب تک ہونے والے اعتراضات میں سے چند قوی اعتراضات ذیل میں پیش کر رہے ہیں، جن سے یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ نظریہ ارتقاء کیوں قابل قبول نہیں۔

نظریہ ارتقاء پر اعتراضات:

” (۱)..... نظریہ ارتقاء کے مؤیدین آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکے کہ زندگی کی ابتداء کیسے ہو گئی؟ یعنی معلول تو موجود ہے لیکن علت کی کڑی نہیں ملتی۔ گویا اس نظریہ کی بنیاد ہی سائنسی لحاظ سے کمزور ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب اپنی کتاب ”انسان نے کیا سوچا“ کے صفحہ ۵۵ پر رقمطراز ہیں:

”یہ تو ڈارون نے کہا تھا لیکن خود ہمارے زمانے کا ماہر ارتقاء (Simpson) زندگی کی ابتداء اور سلسلہ علت کی اولین کڑی کے متعلق لکھتا ہے: زندگی کی ابتدا کیسے ہو گئی؟ نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں..... اس معرکہ کو حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے

قریب پہنچا جا رہا ہے..... لیکن اس معرہ کا آخری نقطہ (یعنی زندگی کا نقطہ آغاز) وہ ہے جو سائنس کے انکشافات کی دسترس سے باہر ہے اور شاید انسان کے حیطہ ادراک سے ہی باہر..... کائنات کے آغاز اور سلسلہ علت و معلول کی اولین کڑی کا مسئلہ لائیکل ہے اور سائنس اس تک نہیں پہنچ سکتی..... یہ اولین کڑی راز ہے اور میرا خیال ہے کہ ذہن انسانی اس راز کو کبھی نہیں پاسکے گا۔ ہم اگر چاہیں تو اپنے اپنے طریق پر اس علت اولیٰ کے حضور اپنے سر جھکا سکتے ہیں لیکن اسے اپنے ادراک کے دائرے میں کبھی نہیں لاسکتے۔“ [انسان نہ کیا سوچا، ص ۵۰]

گویا نظریہ ارتقاء کے مادہ پرست قائلین کو آج تک اس کے لیے کوئی سائنسی اور حسی دلیل مہیا نہیں ہو سکی۔ (۲)..... دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک کسی انسان نے مشاہدہ نہیں کیا یعنی کوئی چیز یا ارتقاء کر کے مرغابن گئی ہو یا گدھا ارتقاء کر کے گھوڑا بن گیا ہو یا لوگوں نے کسی بندر کو انسان بننے دیکھا ہو۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ فلاں دور میں ارتقاء ہوا تھا۔ جس طرح جملہ حیوانات ابتدائے آفرینش سے تحقیق کیے گئے ہیں آج تک اسی طرح چلے آتے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ بعض ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں جو نظریہ ارتقاء کو رد کرتی ہیں مثلاً ریٹیم کا کیڑا جو عموماً موسم برسات میں شہتوت کے پتوں پر گزر اوقات کرتا ہے، جب ساٹھ دن کا ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ سے سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے منہ سے ایک مادہ تاروں کی شکل میں نکلتا ہے جسے یہ اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تار ساتھ ہی خشک ہوتے جاتے ہیں۔ ریٹیم کے کیڑے کے گرد تاروں کا یہ جال جب اخروٹ کے برابر ہو جاتا ہے تو اس کے اندر کیڑا مر جاتا ہے اور اس کے سیاہ مادے سے ایک سفید تلی بن جاتی ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو نروادہ کا ملاپ ہوتا ہے پھر مادہ انڈے دیتی ہے اور دونوں نروادہ مر جاتے ہیں۔ اس کیڑے کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان زمانہ قدیم سے ریٹیم حاصل کر رہا ہے اور اس کیڑے کی داستان حیات میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی نہ ہی ارتقاء کا عمل کبھی پیش آیا۔ اسی طرح بعض کتھر رچے کے بحری جانور جو ابتدائے زمانہ میں پائے جاتے تھے، آج بھی اسی شکل میں موجود ہیں۔ ان پر ارتقاء کو کوئی عمل نہیں ہوا۔ حشرات الارض کا وجود بھی نظریہ ارتقاء کی تردید کرتا ہے۔ اسی لیے بعض مفکرین ارتقاء کے منکر ہیں، اس کے بجائے تخلیقی خصوصی (Special Creation) کے قائل ہیں: یعنی ہر نوع زندگی کی تخلیق بالکل الگ الگ طور پر ہوتی ہے۔ ایک مفکر De Viaies ارتقاء کے بجائے انتفال (Mutation) کا قائل ہے جسے

آج کل فحاشی ارتقاء Emergency Evolution کا نام دیا جاتا ہے۔

(۳)..... نظریہ ارتقاء پر تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں مثلاً جوڑوں اور بغیر جوڑوں والے جانوروں کی درمیانی کڑی موجود نہیں۔ فقری اور غیر فقری جانوروں کی درمیانی کڑی بھی مفقود ہے۔ مچھلیوں اور ان حیوانات کی درمیانی کڑی بھی غائب ہے جو خشکی اور پانی کے جانور کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ریٹکے والے جانوروں اور پرندوں، اور ریٹکے والے ممالیہ جانوروں کی درمیانی کڑیاں بھی مفقود ہیں۔ فلسفہ ارتقاء کی یہ اصل دشواری ہے جو سو سال سے زیر بحث چلی آ رہی ہے۔ بعض نظریہ ارتقاء کے قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ درمیانی کڑی کا جب کام پورا ہو چکتا ہے تو وہ از خود غائب ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں جتنا وزن یا معقولیت ہے اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۴)..... چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب اس نظریہ کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پہلا انسان کمزور جسم اور ناقص العقل تھا تو اس نے شیروں اور چیتوں کے درمیان گزارہ کیسے کیا اور اس کمزوری اور بے عقلی کے باوجود تنازع للبقاء میں کامیاب کیسے ہو گیا؟

(۵)..... پانچواں اعتراض بڑا وزنی ہے کہ ابتدائے زندگی سے بندرتک جو شعوری ترقی دو ارب سال میں واقع ہوئی ہے، بندر اور انسان کا درمیانی شعوری فرق اس سے بہت زیادہ ہے جس کے لیے ارب ہا سال کی مدت درکار ہے جب کہ زمین کی عمر صرف ۳ ارب سال بتائی جاتی ہے، یہ ذہنی ترقی انسان میں یکدم کیونکر آگئی؟

(۶)..... ڈارون نے نظریہ ارتقاء کے لیے جو اصول بتلائے ہیں وہ مشاہدات کی رو سے صحیح ثابت نہیں ہوئے مثلاً:

۱۔ ایک اصول قانون وراثت ہے۔ ڈارون کہتا ہے کہ لوگ کچھ عرصہ تک کتوں کی دم کا نٹے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتے بے دم پیدا ہونے لگے۔ جس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب اور عبرانی لوگ صدیوں سے ختنہ کرواتے چلے آتے ہیں لیکن آج تک کوئی خنتون بچ پیدا نہیں ہوا۔

۲۔ ماحول سے ہم آہنگی پر یہ اعتراض ہے کہ انسان کے پستانوں کا بد نما داغ آج تک کیوں باقی ہے جس کی کسی دور میں بھی ضرورت پیش نہیں آئی اور انسان سے کمتر درجے کے جانوروں (زروں) میں یہ داغ موجود نہیں ہوتے تو انسان میں کیسے آگئے؟ علاوہ ازیں یہ کہ ایک ہی جغرافیائی ماحول میں رہنے

والے جانوروں کے درمیان فرق کیوں ہوتا ہے؟

(۷)..... رکاز (Fossil) کی دریافت بھی نظریہ ارتقاء کو بالکل باطل قرار دیتی ہے۔ رکاز سے مراد انسانی کھوپڑیاں یا جانوروں کے وہ پنجر اور ہڈیاں ہیں جو زمین میں مدفون پائی جاتی ہیں۔ نظریہ ارتقاء کی رو سے مکرر درجے کے جانوروں کی ہڈیاں زمین کے زریں حصہ میں پائی جانی چاہئیں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایسی ہڈیاں عموماً زمین کے بالائی حصہ میں ملی ہیں۔ ارتقائی بھی یہ کہتے ہیں کہ انسان لاکھوں سال قبل جسمانی اور عقلی لحاظ سے ناقص تھا۔ بالآخر تکمیل کی طرف آیا۔ رکاز کی دریافت اس بات کی بھی تردید کرتی ہے کیونکہ بالائی طبقوں میں جو رکاز ملے ہیں وہ غیر مکمل اور ناقص انسان کی یادگار ہیں اور زیریں طبقوں میں اعلیٰ انسانوں کے رکاز ملے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔

نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین:

یہ ہیں وہ اعتراضات جنہوں نے اس نظریہ کے انجر پنجر تک ہلا دیے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی نے اس نظریہ میں استحکام کی بجائے اس کی جڑیں بھی ہلا دی ہیں۔ اب اس نظریہ کے متعلق چند مغربی مفکرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ایک اطالوی سائنسدان روزا کہتا ہے کہ گزشتہ ساٹھ سال کے تجربات نظریہ ڈارون کو باطل قرار دے چکے ہیں۔

۲۔ ڈی وریز ارتقاء کو باطل قرار دیتا ہے وہ اس نظریہ کے بجائے (Mutation) انتشار نوع کا قائل ہے۔

۳۔ والس (Wallace) عام ارتقاء کا قائل ہے لیکن وہ انسان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

۴۔ فرخو کہتا ہے: انسان اور بندر میں بہت فرق ہے اور یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

۵۔ میفرٹ کہتا ہے کہ ڈارون کے مذہب کی تائید ناممکن ہے اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

۶۔ آغا سبز کہتا ہے کہ ڈارون کا مذہب سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے اور اس قسم کی باتوں کا علم سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

۷۔ ہکسلے (Huxley) کہتا ہے کہ جو دلائل ارتقاء کے لیے دیے جاتے ہیں، ان سے یہ بات

قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوتی ہو۔
 ۸۔ ٹنڈل کہتا ہے کہ نظریہ ڈارون قطعاً ناقابل التفات ہے کیونکہ جن مقدمات پر اس نظریہ کی بنیاد ہے وہ قابل تسلیم ہی نہیں ہیں۔“ [بحوالہ: اسلام اور نظریہ ارتقاء] (۱)

پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کی تخلیق:

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زلمہ ایسا بھی گزرا ہے جب نوع انسان کا نام و نشان تک نہ تھا جیسا کہ سورۃ الدھر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ اللَّيْلِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُوِّنًا ﴾ [سورۃ الدھر: آیت ۱]

”کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا۔“

جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ [سورۃ البقرہ: ۳۰]

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

تو اس پر فرشتوں نے عرض کیا:

﴿ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي

أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [سورۃ البقرہ: ۳۰]

”آپ ایسی مخلوق کو کیوں پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم آپ کی تسبیح،

حمداور پاکیزگی بیان کرنے والے (موجود) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کو پیدا فرمایا۔ انہیں کس طرح پیدا کیا گیا اس کی

تفصیلات ہمیں دیگر قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ملتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

ہاتھوں سے حضرت آدم ﷺ کا پتلا مٹی کے ساتھ بنایا اور پھر اس میں روح پھونک کر اسے زندگی بخشی۔

آئندہ سطور میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱) یہ اعتراضات مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ کی کتاب آنسو ہر وہیزیت (ص ۲۳۵ تا ۲۳۸) سے ماخوذ ہیں۔ نظریہ ارتقاء کی

مزید تردید و ابطال کے لیے ایک ترکیب صاحب علم جناب ہارون یحییٰ کی کتاب نظریہ ارتقاء..... ایک فریب کا مطالعہ

بھی مفید رہے گا۔ مصنف [

حضرت آدم ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے

قرآن مجید سے دلائل:

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ﷺ کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

(۱)..... ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾ [سورۃ الحجر: ۲۶]

”یقیناً ہم نے انسان کو اس خشک مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے گاڑے کی تھی۔“

اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔

(۲)..... ﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَوَضَعْتَنِي مِنْ طِينٍ﴾ [سورۃ الاعراف: ۱۲]

” (شیطان نے اللہ سے کہا کہ) میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا

کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

(۳)..... ﴿فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ: أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا﴾ [سورۃ الاسراء: ۶۱]

”ان سب (فرشتوں) نے سجدہ کیا مگر ابلیس (شیطان) نے نہ کیا اور کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں

جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟“

(۴)..... ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾

”جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان (یعنی آدم ﷺ) کو پیدا کرنے

والا ہوں۔“ [سورۃ الحجر: ۲۸]

(۵)..... ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا﴾ [سورۃ الانعام: ۲]

”اسی ذات (اللہ) نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر ایک وقت معین کیا۔“

(۶)..... ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ﴾ [سورۃ الضحٰى: ۱۱]

”یقیناً ہم نے ان (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

جس طرح پہلی چار آیات کا سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم ﷺ کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اسی طرح یہ آخر الذکر دو آیات بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہیں، اگرچہ ان میں ضمیر کا مرجع عام انسانوں کی طرف ہے مگر اس سے مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہارے باپ آدم ﷺ جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تمہارا سلسلہ

چلا ہے، انہیں ہم نے مٹی ہی سے پیدا کیا تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ آدم ﷺ جو اعلیٰ علیہ السلام کے علاوہ دیگر کبھی انسانوں کی تخلیق ہمیشہ سے قطرہ آب (مادہ تولید) سے ہوتی چلی آئی ہے نہ کہ مٹی سے۔ علاوہ ازیں درج ذیل آیت بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ نوع انسان کا آغاز ایک مٹی کے پتلے کی تخلیق سے ہوا اور پھر اگلی نسل کی تخلیق نطفہ سے ہونے لگی:

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ [سورة السجدة: ۹ تا ۷]

”جس (ذاتِ باری تعالیٰ) نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے چوڑے سے چلائی جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔“

احادیث سے دلائل:

درج ذیل احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم ﷺ کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

(۱)..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))^(۱)

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم ﷺ کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جو تمہارے لیے (قرآن مجید میں) بیان کر دی گئی ہے۔“ [یعنی مٹی سے]

(۲)..... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ مِنْ تَبْضِئَةِ قَبْضَتِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَهُ نَبُو آدَمَ عَلَى قَلْبِ الْأَرْضِ فَجَاءَهُ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالْعَلْبُ))^(۲)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الزهد والرفاق، باب فی احادیث متفرقة (ج ۶: ۲۹۹۶)]

(۲) [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة (ج ۲۹۵۵)] امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: هذا حديث حسن صحيح شيخ البائي نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: صحیح ترمذی

(ج ۳۱: ۴۳) ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی القدر (ج ۴۶۸۱) مسند احمد (ج ۴ ص ۴۰۶) [

”اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لی اور اس سے حضرت آدم ﷺ کو پیدا فرمایا، اسی لیے اولاد آدم ﷺ اس مٹی کی مناسبت سے پیدا ہوئے (یعنی) سرخ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی اور ان کے مابین (دیگر ملتے جلتے رنگوں میں) بھی۔ اسی طرح آسودہ حال بھی، پریشان حال بھی، خبیث بھی اور پاکباز بھی۔“

(۳)..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا صَوَّرَ اللَّهُ آدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَشَاءَ اللَّهِ أَنْ يَتْرُكَهُ فَجَعَلَ الْإِبْلِيسَ بَطِيْثَ بِهِ يَنْظُرُ مَا هُوَ؟ فَلَمَّا رَأَى أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهُ خَلَقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ))^(۱)

”جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم ﷺ کی (پتلانا) صورت بنائی تو پھر اسے حسبِ نسا اسی حالت میں چھوڑے رکھا۔ ابلیس اس (پتلے) کے پاس آیا اور اس کے ارد گرد چکر لگانے لگا اور دیکھنے لگا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ درمیان سے خالی ہے تو فوراً پہچان گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو اپنے نفس (خواہشات) پر قابو نہیں رکھتی۔“

حضرت آدم ﷺ نوے فٹ لمبے تھے!

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کا پتلانا بنا کر اس میں روح پھونکی تو آپ کی قد و قامت ساٹھ (۶۰) ہاتھ یعنی نوے فٹ تک بلند تھی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

(۱)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَطَوْلُهُ سِتُونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ إِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَيَّ مِنْ الْمَلَائِكَةِ فَاسْتَمَعَ مَا يَخْبِيُونَكَ نَجِيحَتِكَ وَنَجِيحَةَ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَزَادَهُ: وَرَحْمَةُ اللَّهِ، فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الْآنَ))^(۲)

”اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو پیدا کیا تو انہیں ساٹھ ہاتھ لسا بنایا۔ پھر جب انہیں پیدا فرمایا تو ان سے کہا کہ جاؤ اور فرشتوں کو سلام کرو اور دیکھنا کہ وہ تمہیں کن لفظوں میں سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہی

(۱) [صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب خلق الانسان خلقا لا يتمالك (ح ۲۶۱۱)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبياء، باب خلق آدم وذريته (ح ۳۲۲۶) صحیح مسلم، کتاب الحنة

ورعيمها، باب يدخل الحنة اقوام أفندتهم ملافقة الطير (ح ۲۸۴۱)]

تمہارا اور تمہاری اولاد کا طریقہ سلام ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے (جا کر) کہا: السلام علیکم ، فرشتوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمة اللہ فرشتوں نے ورحمة اللہ کا جملہ بڑھا دیا۔ جو کوئی بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی شکل اور قد و قامت پر داخل ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سے اب تک انسانوں کے قد مسلسل چھوٹے ہوتے رہے ہیں۔“

یعنی ساٹھ ہاتھ سے چھوٹے ہوتے ہوئے اس تھک تک پہنچ گئے جس حد پر یہ امت ہے اب اس میں مزید کمی ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب قیامت تک یہی حد برقرار رہے گی اور اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی سوائے کسی مستثنیٰ صورت کے۔

(۲)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طَوْلُهُ سِتُونَ ذِرَاعًا))^(۱)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت ہی پر پیدا فرمایا اور (اس وقت) ان کی لمبائی ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھی۔“

مذکورہ روایت میں غلٹی صُورَتِهِ کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا ترجمہ و مفہوم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ”آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شکل و صورت پر پیدا فرمایا ہے“ لیکن یہ مفہوم درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [سورة الشورى۔ آیت ۱۱] ”اس (اللہ) کے مثل کوئی نہیں۔“

یعنی نہ تو شکل و صورت کے اعتبار سے کوئی چیز اللہ کے مشابہ ہے اور نہ ارادہ و اختیار کی قوت کے اعتبار سے۔ اس لیے آدم علیہ السلام کو اللہ کے مشابہ قرار دینے کا ترجمہ محل نظر ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں تاہم اس کا درست مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے پورے قد و قامت کے ساتھ اسی شکل و صورت پر پیدا فرمایا جس پر وہ ہمیشہ رہے۔ اور ان پر وہ مراحل نہیں آئے جو ہر انسان پر بچپن سے بڑھاپے تک آتے ہیں اور نہ ہی شکل و صورت اور بدن و جسم کے اعتبار سے انہیں ان تغیرات کا سامنا کرنا پڑا ہے جو ہر انسان کو قدرتی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ واضح رہے کہ یہی مفہوم محدث ابن حبان نے امام ابو حاتم کے حوالے سے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں بیان کیا ہے۔^(۲)

(۱) [بخاری، الاستعذان، باب بدء السلام (۶۲۲۷) - مسلم (۲۸۴۱)] (۲) [صحیح ابن حبان (ج ۸ ص ۱۲)]

(۳)..... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ((إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ رَجُلًا طَوَّلًا كَثِيرًا شَعْرَ الرَّأْسِ كَمَا نَهْ نَخْلَةَ سُحُوقٍ))^(۱)
 ”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو کھجور کے لمبے درخت کی طرح طویل قد و قامت کی شکل کا آدمی بنا کر پیدا فرمایا اور ان کے سر کے بال بھی بہت گھنے تھے۔“

(۴)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ((إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ.... عَلَى صُورَةِ آدَمَ يَسْتُونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ))^(۲)
 ”جنت میں سب سے پہلے جو گروہ جائے گا وہ اپنے باپ آدم ﷺ کی صورت پر ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔“
 (۵)..... ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ”لوگ جنت میں اس قد و قامت پر داخل ہوں گے جو آدم ﷺ کو عطا کی گئی اور آدم ﷺ ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے۔“^(۳)

حضرت آدم ﷺ جمعہ کے روز پیدا ہوئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ((خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ))^(۴)
 ”دنوں میں سے بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم ﷺ کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت سے نکالا گیا اور جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔“

گزشتہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ

- ۱)..... حضرت آدم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔
- ۲)..... یہ مٹی روئے ارضی کے مختلف حصوں سے اکٹھی کی گئی تھی۔

(۱) [قصص الانبياء: لابن كثير (۲۰۱/۲۰۱) حاکم (۲۶۲/۲) امام حاکم اور ذہبی نے اس کی سند صحیح قرار دیا ہے۔]
 (۲) [صحيح بخاری، کتاب احاديث الانبياء، باب خلق آدم (ح-۳۳۲۷) مستند احمد (ج-۲ ص ۲۳۲)]
 (۳) [مستند احمد (ج-۲ ص ۲۹۵) ياد رہے کہ اس کی سند میں علی بن زيد بن جعد نامی ایک راوی ضعیف ہے]
 (۴) [صحيح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة (ح-۸۵۴) ترمذی (ح-۴۸۸) احمد (۴۰۱/۲)]

۳)..... حضرت آدم ﷺ کا اس منی سے پتلا بنایا گیا۔

۴)..... یہ پتلا اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

۵)..... ایک عرصہ تک یہ خاک پتلا اسی حالت میں رہا۔ یہ عرصہ کتنا تھا اس کے بارے میں کوئی صریح

روایت موجود نہیں تاہم بعض اسرائیلی روایات کے مطابق یہ عرصہ چالیس سالوں پر محیط تھا۔ واللہ اعلم!

۶)..... حضرت آدم کا یہ پتلا ساٹھ ہاتھ (یعنی نوے فٹ) لمبا تھا۔

۷)..... پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی اور یہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔

۸)..... بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم ﷺ کی تخلیق جمعہ کے روز ہوئی۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کی بیوی حضرت حوا کو کس طرح پیدا فرمایا؟ اس کے بارے میں قرآن و سنت میں صریح معلومات نہیں ملتیں تاہم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حوا کی تخلیق آدم ہی سے ہوئی تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بِأَنفُسِ النَّاسِ أَنْفُؤَارِكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ [سورة النساء: آیت ۱]

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی بیوی (حوا) کو پیدا فرمایا (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔“

مذکورہ آیت کے یہ الفاظ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اسی ایک جان سے اس کی بیوی کو پیدا کیا) اس بات کی صراحت تو ضرور کرتے ہیں کہ اللہ نے آدم ﷺ ہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا، تاہم یہ پیدائش کس طرح ہوئی اس کی وضاحت یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی کسی صحیح حدیث سے اس کی وضاحت ملتی ہے۔ البتہ یک صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے:

((إِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خَلَقَتْ مِنْ ضِلْعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ فَإِنَّ ذَهَبَتْ نَفْسُهُ كَسَرَتْهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَنْزَلِ أَلْوَجٌ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ))^(۱)

”عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا کیونکہ عورت پل سے پیدا کی گئی ہے۔ پل

(۱) [صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریئہ (ح) ۳۳۳۱] مسلم: کتاب الرضاع (ح) ۵۹۔]

میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اور پرکاس حصہ ہوتا ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو ٹیڑھے سے توڑ بیٹھے گا (ایک روایت میں ہے کہ اسے توڑنے سے مراد طلاق ہے) اور اگر اسے یونہی چھوڑ دے گا تو پھر یہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہذا عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔“

اس حدیث کے پیش نظر مفسرین کی ایک تعداد کا یہ کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی سے حوا کو پیدا کیا گیا تھا اور اس حدیث میں پہلی سے عورت کی تخلیق سے مراد تخلیق حوا ہی کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ بعض اہل علم اس حدیث کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کی طبیعت کی اس کجی کی طرف اشارہ ہے جسے بدلنا نہایت مشکل ہے۔ اس روایت کا سیاق و سباق بھی اس مفہوم کی تائید کرتا ہے، علاوہ ازیں اسی روایت کے دیگر طرق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:

(۱)..... ایک روایت میں ہے: ((إِنَّمَا الْمَرْأَةُ كَالضَّلَعِ)) ”عورت، پہلی کی مانند ہے۔“ (۱)

اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود عورت کے طبعاً کج زد ہونے کی طرف ہے۔

(۲)..... ایک روایت میں آپ کا ارشاد ہے: ((اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضَلَعٍ))

”عورتوں کے بارے میں، میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ پہلی سے پیدا کی گئی ہیں۔“ (۲)

اس روایت میں لفظ نساء سے معلوم ہوتا ہے کہ سبھی عورتیں پہلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر تو اسے حقیقت پر محمول کریں پھر یہ خلاف واقعہ بات ہوگی لہذا اسے مجازی و تمثیلی مفہوم پر ہی محمول کیا جائے گا۔

مولانا مودودیؒ کی رائے:

اس سلسلہ میں مولانا مودودیؒ نے بھی ایک اچھی رائے دی ہے، آپ مذکورہ آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ

”اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پہلی سے حوا کو

(۱) [صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المدارة مع النساء]

(۲) [صحیح بخاری، ایضاً، باب الوصاة بالنساء (ح-۱۸۶) (۵)]

پیدا کیا گیا (تلوہ میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں جانب کی تیرہویں پہلی سے پیدا کیا گیا تھا) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ [تفہیم القرآن: جلد ۱ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰]

مصنف کی رائے:

حضرت حوا کی تخلیق اور عورت کے پہلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کے حوالہ سے اہل علم کے مختلف نقطہ ہائے نظر آپ ملاحظہ کر چکے، اس سلسلہ میں مجھے جو رائے زیادہ متوازن اور نصوص سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا کو آدم کی پہلی ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ ائمہ سلف سے بھی یہ بات منقول ہے۔ باقی رہا عورت کے پہلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کی توجیہ کا مسئلہ تو ان میں تمثیلی صورت بھی اپنی جگہ پر موجود ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت حوا کے حوالے سے ان احادیث کو حقیقت پر اور دیگر عورتوں کے حوالے سے انہیں مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ دیگر عورتیں تو پہلی سے پیدا نہیں ہوتیں۔

اس توجیہ کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو روئے ارضی کے مختلف حصوں کی مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی زمین کے ان مختلف حصوں کی زرمی، سختی وغیرہ سے متاثر ہوئی۔ اب ان احادیث میں بھی حقیقت و مجاز کے دونوں پہلو موجود ہیں یعنی حضرت آدم کے لیے تو یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا جب کہ اولاد آدم کے لیے یہ مجاز اور تمثیل ہے اور وہ اس طرح کہ مٹی کی سختی و زرمی کو ان کے مزاج کی سختی و زرمی سے تعبیر کر دیا گیا۔ واللہ اعلم!

.....*

انسانوں کی اولیں تخلیق اور ان سے عہد و پیمان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہما السلام کی تخلیق کس طرح فرمائی، اس کی ضروری تفصیلات گزشتہ سطور میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب آئندہ سطور میں ہم یہ واضح کریں گے کہ تا قیامت آنے والی اولاد آدم کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے جاری فرمایا۔ تاہم اس سے پہلے چند ایک صحیح احادیث کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے مطابق خرقی عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانی پیدا فرمائی اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ گویا انہیں ان کا مقصد تخلیق بتانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔

نسل انسانی کی تخلیق اور الٰہی عہد و پیمان:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾ [سورۃ الاعراف: ۱۷۲]

”اور جب آپ کے رب نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ (یہ اقرار اس لیے لیا) تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔“

اس آیت میں جس عہد و پیمان کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، انسان تو واقعی اس سے بے خبر ہے۔ کس معلوم کہ اللہ نے اس سے کوئی عہد لیا تھا؟ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمیں اس زندگی سے پہلے بھی کبھی پیدا کیا گیا تھا؟ پھر روز قیامت ہماری اس بے خبری کا ہم سے محاسبہ کیوں کیا جائے گا؟

یہ وہ سوالات ہیں جو زیر نظر آیت کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے اس آیت کی تفسیر مختلف اہل علم نے مختلف انداز میں کرتے ہوئے ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے تاہم اس کی جو تفسیر قرآن کے ظاہری الفاظ کی تائید کرتی ہے، وہ بعض صحیح احادیث میں اس طرح موجود ہے:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال اللہ کے رسول ﷺ

سے پوچھا گیا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ

((إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ طَهْرَهُ بِمِغْنِبِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الخ))^(۱)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے کام کریں گے۔ پھر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔ اس پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر کوئی عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جنت کے لیے پیدا فرمائیں تو پھر اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو جنت میں جانے والے کرتے ہیں حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ فوت ہو کر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ جہنم کے لیے پیدا فرماتے ہیں تو اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو اہل جہنم کے ہوں اور وہ اہل جہنم کے عمل ہی پر مرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔“

(۲)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”عرفہ کے روز نعمان نامی مقام (جو عرفہ کے پاس واقع ہے) پر اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کی اولاد سے میثاق (عہد و پیمان) لیا، وہ اس طرح کہ آدم ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد ظاہر فرمائی اور انہیں اپنے سامنے پھیلا دیا۔ پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں، ہم سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔“^(۲)

(۳)..... حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جب پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کندھے پر ضرب لگائی اور سفید اولاد نکالی (وہ اس طرح تھی کہ) گویا چوئیاں ہوں پھر بائیں کندھے پر ضرب لگائی اور سیاہ اولاد نکالی۔ (وہ اس طرح تھی کہ) گویا وہ کونسلے ہیں۔ دائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور

(۱) [موطا (۸۹۸/۲) احمد (۴۴۱) حاکم (۲۷۱) ابن حبان (۶۱۶۶) ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی سورۃ

الاعراف (۴۷۰۳) شیخ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔ دیکھیے: مشکاة بتحقیق الثانی (۹۶)]

(۲) [احمد (۲۷۲/۱) حاکم (۵۴۴/۲) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح

قرار دیا ہے دیکھیے: السلسلۃ الصحیحۃ (ج ۱۶۲۳) دیگر شواہد کے لیے دیکھیے: مجمع الزوائد (۱۸۸۰/۱۸۶/۷)]

مجھے کوئی پروا نہیں، پھر بائیں کندھے والوں کے لیے فرمایا کہ یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔“ (۱)

کیا یہ عہد صرف روحوں سے لیا گیا تھا؟

ہمارے ہاں یہ بات معروف ہے کہ مذکورہ بالا روایات میں اولادِ آدم کے جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان کے بدنوں سے نہیں بلکہ روحوں سے لیا گیا تھا لیکن یہ نقطہ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اول تو اس لیے کہ جن صحیح احادیث میں اس وعدے کی تفصیلات کا ذکر ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی 'أرواح' کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ ذریت، اور اولاد کا تذکرہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان احادیث کے سیاق و سباق سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اولادِ آدم کے اجسام (یعنی بدن اور روح) سے یہ خطاب ہوا اور سب نے اللہ کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کیا۔ اس کے علاوہ اسی نوعیت کی درج ذیل ایک اور حدیث سے بھی ہماری اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پیرا جس کے نتیجے میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان (نسمہ) باہر نکل آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرمائی پھر انہیں آدم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم کہنے لگے: یارب یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان (یعنی پیشانی پر موجود) نور نے انہیں بہت متاثر کیا تو حضرت آدم کہنے لگے: یارب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد میں سے آنے والی آخری امتوں میں سے ایک آدمی ہے اور اس کا نام داؤد ہے۔ آدم فرمانے لگے کہ یارب تو نے اس کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔ آدم فرمانے لگے: یارب میری عمر میں سے بھی چالیس سال اسے عطا کر دیجئے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی اور ان کے پاس ملک الموت تشریف لائے تو آدم ان سے کہنے لگے: کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ اس پر موت کے فرشتے نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم نے انکار کر دیا اور اس کی اولاد بھی (یعنی تمام بنی آدم اسی وجہ سے) انکاری بنی اور حضرت

(۱) [مسند احمد (۴/۱۶) شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: السلسلة الصحيحة (۴۹)]

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ

”اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا۔ لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اسے بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز بنی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس اُزلی عہد و اقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کر کے اپنے سامنے حاضر کیا تھا، اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا کوئی رب اور کوئی اللہ اس کی ذات اقدس و اعلیٰ کے سوا نہیں ہے، اور ان کے لیے کوئی صحیح طریق زندگی اس کی بندگی و فرماں برداری (اسلام) کے سوا نہیں ہے۔ اس اجتماع کو اگر کوئی شخص بعید از امکان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے، ورنہ حقیقت میں تو نسل انسانی کی موجودہ تدریجی پیدائش جتنی قریب از امکان ہے اتنا ہی ازل میں ان کا مجموعی ظہور، اور ابد میں ان کا مجموعی حشر و نشر بھی از امکان ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل و شعور اور صاحب تصرف و اختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ مامور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار (Oath of allgiance) لے۔ اس معاملہ کا پیش آنا قابل تعجب نہیں، البتہ یہ پیش نہ آتا تو

ضرور قابل تعجب ہوتا۔“ [تفسیر 'تفہیم القرآن' جلد ۲۔ صفحہ ۹۶، ۹۷]

ہمیں یہ عہد کیوں یاونہیں؟

اگر اس خدائی عہد و پیمانہ کو حقیقی قرار دیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ہمیں یاد کیوں نہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی رقم طراز ہیں کہ:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ آزی میثاق فی الواقع عمل میں آیا بھی تھا تو کیا اس کی یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں محفوظ ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی یہ جانتا ہے کہ آغازِ آفرینش میں وہ اپنے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس سے السست بریکم کا سوال ہوا تھا اور اس نے بلی کہا تھا؟ اگر نہیں تو پھر اس اقرار کو جس کی یاد ہمارے شعور و حافظہ سے محو ہو چکی ہے ہمارے خلاف حجت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میثاق کا نقش انسان کے شعور اور حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا کی موجودہ امتحان گاہ میں بھیجا جانا سرے سے فضول ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد تو اس آزمائش و امتحان کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہ جاتے۔ لہذا اس نقش کو شعور و حافظہ میں تو تازہ نہیں رکھا گیا، لیکن وہ تحت الشعور (Subconscious Mind) اور وجدان (Intuition) میں یقیناً محفوظ ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت الشعوری اور وجدانی علوم کا حال ہے۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و معاملات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوۃ (Potentially) موجود تھا۔ خارجی حرکات اور داخلی تحریکات نے مل جل کر اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ جو کچھ بالقوۃ تھا اسے بالفعل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم، کوئی تربیت، کوئی ماحولی تاثیر اور کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی، جو اس کے اندر بالقوۃ موجود نہ ہو، ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اسی طرح یہ سب موثرات اگر اپنا تمام زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے جو انسان کے اندر بالقوۃ موجود ہیں، کسی چیز کو قطعی نحو کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اسے اصل فطرت سے منحرف (Pervert) کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام تحریفات و تمسکات کے باوجود اندر موجود رہے گی، ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتی رہے گی، اور خارجی اپیل کا جواب دینے کے لیے مستعد رہے گی۔ یہ معاملہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، ہمارے تمام تحت الشعوری اور وجدانی علوم کے ساتھ عام ہے۔ وہ سب ہمارے اندر بالقوۃ موجود ہیں اور ان کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت ان چیزوں سے ہمیں ملتا ہے جو بالفعل ہم سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان سب کے ظہور میں آنے کے لیے خارجی تذکیر (یاد دہانی)، تعلیم و تربیت، اور تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو کچھ ہم سے ظاہر ہوتا ہے وہ گویا درحقیقت خارجی اپیل کا وہ جواب ہے جو ہمارے اندر کی بالقوۃ موجودات کی طرف سے ملتا ہے۔

ان سب کو اندر کی غلط خواہشات اور باہر کی غلط تاثیرات دبا کر، پردہ ڈال کر، منحرف اور مسخ کر کے کالعدم کر سکتی ہیں مگر بالکل معدوم نہیں کر سکتیں، اور اسی لیے اندرونی احساس اور بیرونی سعی دونوں سے اصلاح اور تبدیلی (Conversion) ممکن ہوتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک یہی کیفیت اس وجدانی علم کی بھی ہے جو ہمیں کائنات میں اپنی حقیقی حیثیت اور خالق کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں حاصل ہے۔

اس کے موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر دور میں، زمین کے ہر خطہ میں، ہر بستی، ہر پشت اور ہر نسل میں ابھرتا رہا ہے اور کبھی دنیا کی کوئی طاقت اسے محو کر دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے مطابق حقیقت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ ابھر کر بالفعل ہماری زندگی میں کار فرما ہوا ہے اس نے صالح اور مفید نتائج ہی پیدا کیے ہیں۔ اس کو ابھرنے اور ظہور میں آنے اور عملی صورت اختیار کرنے کے لیے ایک خارجی اجیل کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی اور ان کی پیروی کرنے والے داعیان حق سب کے سب یہی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اسی لیے ان کو قرآن میں مذکور (یاد دلانے والے) ذکر (یاد) تذکرہ (یادداشت) اور ان کے کام کو تذکیسہ (یاد دہانی) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء اور کتابیں اور داعیان حق انسان کے اندر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ اسی چیز کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں جو ان کے اندر پہلے سے موجود تھی۔ نفس انسانی کی طرف سے ہر زمانہ میں اس تذکیسہ کا جواب بصورت لبیک ملتا اس بات کا مزید ایک ثبوت ہے کہ اندر فی الواقع کوئی علم چھپا ہوا تھا جو اپنے پکارنے والے کی آواز پہچان کر جواب دینے کے لیے ابھر آیا۔ پھر اسے جہالت اور جاہلیت اور خواہشات نفس اور تعصبات اور شیاطین جن و انس کی گمراہ کن تعلیمات و ترغیبات نے ہمیشہ دبانے اور چھپانے اور منحرف کرنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں شرک، دہریت، الحاد، زندقہ اور اخلاقی و عملی فساد رونما ہوتا رہا ہے۔ لیکن ضلالت کی ان ساری طاقتوں کے متحدہ عمل کے باوجود اس علم کا پیدائشی نقش انسان کی لوح دل پر کسی نہ کسی حد تک موجود رہا ہے اور اسی لیے تذکیسہ و تجدید کی کوششیں اسے ابھارنے میں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی موجود زندگی میں جو لوگ حق اور حقیقت کے انکار پر مصر ہیں وہ اپنی حجت باز یوں سے اس پیدائشی نقش کے وجود کا انکار کر سکتے ہیں یا کم از کم اسے مشتبہ ثابت کر سکتے

ہیں لیکن جس روز یوم الحساب برپا ہوگا اس روز ان کا خالق ان کے شعور و حافظہ میں روزِ ازل کے اس اجتماع کی یاد تازہ کر دے گا جبکہ انہوں نے اس کو اپنا واحد معبود اور واحد رب تسلیم کیا تھا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت بھی ان کے اپنے نفس ہی سے فراہم کر دے گا کہ اس میثاق کا نقش ان کے نفس میں برابر موجود رہا اور یہ بھی وہ ان کی اپنی زندگی ہی کے ریکارڈ سے علی رؤوس الاشهاد دکھا دے گا کہ انہوں نے کس کس طرح اس نقش کو بادیاء، کب اور کن کن موقعوں پر ان کے قلب سے تصدیق کی آوازیں اٹھیں، اپنی اوزانے گرد پیش کی گمراہیوں پر ان کے وجدان نے کہاں کہاں اور کس کس وقت صدائے انکار بلند کی، داعیانِ حق کی دعوت کا جواب دینے کے لیے ان کے اندر چھپا ہوا علم کتنی کتنی مرتبہ اور کس کس جگہ ابھرنے پر آمادہ ہوا اور پھر وہ اپنے تعصبات اور اپنی خواہشاتِ نفس کی بنا پر کیسے کیسے جیلوں اور بہانوں سے اس کو فریب دیتے اور خاموش کر دیتے رہے، وہ وقت جبکہ یہ سارے راز فاش ہوں گے حجتِ بازیوں کا نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرارِ جرم کا ہوگا۔ اسی لیے قرآن مجید کہتا ہے کہ اس وقت مجرمین یہ نہیں کہیں گے کہ ہم جاہل تھے یا غافل تھے، بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم کافر تھے، یعنی ہم نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا۔

القرآن: ج ۲ ص ۹۷ تا ۹۹

انسانوں کی تخلیق کے مراحل

حضرت آدم و حوا کی پیدائش خرقِ عادت امور سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ ان کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو دیگر انسانوں کی تخلیق کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ دیگر انسانوں کی تخلیق کی صورت یہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے مردانہ مادہ تولید (یعنی نطفہ Sperm) عورت کے رحم میں اس کے مادہ تولید (یعنی بیضہ ائی Egg) سے ملتا ہے اور اللہ کے حکم سے اسے بار آور کرتا ہے۔ پھر یہ بار آور خلیہ رحم مادر میں پرورش پاتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے [یعنی نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ اور اس سے پھر انسانی بیج کی شکل و صورت اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے۔ پھر یہ بیج نشوونما پاتے ہوئے بھرپور جوانی حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد بڑھاپے کا سفر کرتا ہے اور بالآخر اپنی زندگی پوری کر کے آخرت کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ یہ تو ہیں انسانی تخلیق کے وہ مختلف مراحل جن میں ارتقا و تدریج کی ایک خاص شکل پائی جاتی ہے اور یہی شکل ہمارے مشاہدہ میں رہتی ہے جبکہ قرآن مجید بھی اسی شکل اور انہی ارتقائی

مرحل کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ انسان نباتات سے حشرات اور حشرات سے حیوانات کے کسی ارتقائی سفر کے بعد بندروں سے ہوتے ہوئے انسان بنا ہے تو اس کی اس سوچ اور نظریہ کی نہ قرآن و سنت تائید کرتے ہیں اور نہ مشاہدہ و تجربہ۔ انسانی تخلیق کے سلسلہ میں قرآن و سنت جو معلومات مہیا کرتے ہیں ان کا حاصل گزشتہ سطور میں بیان کر دیا گیا ہے، یہاں چند ایک متعلقہ دلائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱)..... انسان نطفہ (مادہ تولید) سے پیدا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کا بیان یہ ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ [سورہ ہس: ۷۷]

”کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر وہ صریح بھگڑا لوہن بیٹھا!“

۲)..... جب مردوزن کے نطفوں کا ملاپ ہوتا ہے تو اللہ کے حکم سے رحم مادر میں زائیکوٹ [بارا اور خلیہ]

بنا ہے، اس زائیکوٹ کے لیے قرآن مجید نے نطفۃ أمشاج کی اصطلاح استعمال کی ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [سورہ الدھر: ۲]

”بے شک ہم نے انسان کو (مردوزن کے) ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اسے

ہم نے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے۔“

پھر رحم مادر میں یہی نطفہ جن ارتقائی و تدریجی مراحل کو طے کرتا ہے، اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾

”پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفے کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا پھر اس خون

کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے

گوشت پہنا دیا پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا پیدا

کرنے والا ہے۔“ [سورہ المؤمنون: ۱۳، ۱۴]

.....*

اللہ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادیں

کتاب کے پہلے باب میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے باب میں انسان کے بارے میں ضروری باتوں سے واقفیت حاصل کر لی ہے، اب اس باب میں ہم اللہ اور انسان کے باہمی تعلق کے حوالے سے گفتگو کریں گے اور یہی حصہ اس کتاب کا اصل موضوع ہونے کی وجہ سے سب سے اہم ہے۔

اللہ اور انسان کا سب سے پہلا تعلق خالق اور مخلوق کا ہے یعنی یہ تعلق کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس پر اپنا ہر طرح کا انعام و اکرام فرمایا ہے۔ دوسرا تعلق عابد اور معبود کا ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی مکمل طور پر بندگی اور فرمانبرداری کرے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرے جن کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ اور انسان کا تیسرا تعلق غنی اور محتاج کا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کمزور اور محتاج ہے اور ہر لمحہ اپنے خالق کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنی کمزوری اور محتاجی کے مداوا کے لیے اپنے خالق ہی کا سہارا لے۔

اللہ اور انسان کے درمیان تعلقات کی یہی وہ بنیادیں ہیں جنہیں قرآن مجید نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ توحید و شرک کی ساری بحثیں اسی کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس لیے آئندہ صفحات میں ہم ان تینوں طرح کے تعلقات پر قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں گفتگو کریں گے اور توحید و شرک کی حقیقت واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر توحید و شرک کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

.....*

خالق اور مخلوق

[اللہ اور انسان کا پہلا تعلق]

اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اللہ کی مخلوق اور اللہ ہمارے خالق ہیں۔ خالق ہی نہیں بلکہ ہمارے حقیقی رازق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ جسے جتنا چاہیں مال و دولت، دنیوی وسائل اور انعام و اکرام سے نواز دیں، جسے چاہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیں اور تنگی و مصیبت میں مبتلا کر دیں۔ جسے چاہیں صحت، طاقت اور خوشحالی سے نواز دیں اور جسے چاہیں مرض اور دوہا میں مبتلا کر دیں۔ جس طرح ہماری موت و حیات اس اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہماری تقدیر بھی اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ وہی مختار کل ہے، وہی قادر مطلق ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی بگڑی بنانے والا ہے، وہی مشکل سنوارنے والا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے پاس سارے خزانے ہیں، اسی کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں، اسی کے اشارے سے بارشیں برتی ہیں، اور اسی کے امر سے شمس و قمر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

اس کے حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے تصرف میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا، اس کے قہر و غضب کا کوئی سامنا نہیں کر سکتا، اس کے رحم و کرم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کے انعامات کا کوئی شکر ادا نہیں کر سکتا، اس کی عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ پکڑنے پر آئے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا، وہ مارنے پر آئے تو کوئی بچا نہیں سکتا، وہ غرقِ آب کرنے پر آئے تو کوئی نکال نہیں سکتا، وہ عذاب دینے پر آئے تو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ سزا دینے پر آئے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کی رحمت کا دریا بے کنار ہے، اس کے غنوکا سمندر ٹھاٹھے مار رہا ہے، اس کی بخشش ہر دم جاری ہے، وہ اپنے فرمانبرداروں کو پسند کرتا ہے اور نافرمانوں سے ناراض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو سمجھا نہیں، اس کے بارے میں جانا نہیں، اس کی کتاب کو پڑھا نہیں، اس کی کتاب قرآن مجید میں شاید ہمارے جیسے ناشکروں اور اپنے خالق سے بے رخی اختیار کرنے والوں ہی کے

بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٍ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [سورة الزمر: ۶۷]

”انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچانا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔“

آئیے! آئندہ سطور میں ہم اللہ کی کتاب قرآن مجید کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ ہمارا خالق، مالک اور رازق کس طرح ہے۔

۱)..... سب کچھ ایک اللہ نے پیدا کیا ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [سورة الزمر: ۶۲]

”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا محافظ ہے۔“

﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَلِيلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ [سورة الفرقان: ۳۷]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ کے لیے ہے اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا حصہ دار ہے، اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔ ان لوگوں نے اللہ کے سوا جو اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے مالک ہیں۔“

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاءً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اللَّهُ كُورًا﴾ [سورة الشورى: ۳۹]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔“

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾

”یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس

تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔“ [سورۃ الانعام: ۱۰۳]

﴿وَاللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَايِمِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَأَنْتُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعْلَمُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَطَفُلًا كَفَّارًا﴾ [سورۃ ابراہیم: ۳۲، ۳۴]

”اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں، اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں، اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [النور: ۴۵]

”تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں بعض دو پاؤں پر چلتے اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ [سورۃ النحل: ۵]

”اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور وہ تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔“

(۲)..... ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۲۱]

”لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔“

﴿وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْحِجْلَةَ الْأُولَىٰ﴾ [سورۃ الشعراء: ۱۸۴]

”اس اللہ کا خوف کھاؤ جس نے خود تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَءٍ مُسْنُونٍ وَالْعِجَازِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّمُومِ﴾

”یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گاڑے کی تھی، پیدا فرمایا ہے اور اس سے پہلے

جنات کو ہم نے لوہالی آگ سے پیدا کیا۔“ [سورۃ الحجر: ۲۶، ۲۷]

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ﴾ [سورۃ الحجرات: ۱۳]

”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔“

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لِلْإِنْسَانِ مَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا﴾ [سورۃ مریم: ۶۷]

”کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔“

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ [سورۃ یس: ۷۷]

”کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر کیا ایک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔“

﴿قَبِيلَ الْإِنْسَانِ مَا كَفَرْتُمْ مِنْ أُمَّي شَيْءٍ خَلَقْتُمْ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقْتُمْ فَقَلْبَرُهُ﴾ [سورۃ عبس: ۱۸، ۱۹]

”اللہ کی مار انسان پر! یہ کیسا ناشکر ہے، اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ (اسے) ایک نطفہ سے

(پیدا کیا) پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔“

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَآشَاءَ:

رَبِّكَ﴾ [سورۃ الانفطار: ۸ تا ۶]

”اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب) نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک

کیا، پھر (درست اور) برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَاتَشْكُرُونَ قُلْ

هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ [سورۃ الملک: ۲۳، ۲۴]

”کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت

ہی کم شکرگزار کی کرتے ہو، کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم

اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ

سَاءَ مَثْوًى لِّمَنْ نَسِيَ سَوْءَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ
قَلِيلًا مِمَّا تَشْكُرُونَ ﴿سورة السجدة: ۹۰، ۷﴾

”جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے ٹپ سے چلائی، جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت تمہوڑا احسان مانتے ہو۔“

(۳)..... ہمارا رزق اور داتا بھی اللہ سے

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ [سورة الذاریات: ۵۸]

”بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔“

﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ [سورة الروم: ۴۰]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔“

﴿الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

مِنَ الْعَالَمِينَ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ الَّذِي رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [سورة المؤمن: ۶۴]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں

بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے،

پس بہت ہی برکتوں والا ہے وہ سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔“

(۴)..... تمام جانداروں کا رزق اسی اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ [سورة هود: ۶]

”زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔“

﴿وَكَاكُنْ مِنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

”اور بہت ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی

دیتا ہے، وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے۔“ [سورة العنکبوت: ۶۰]

(۵)..... انسانوں کو بھی اللہ ہی روزی دینے والا ہے

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَشِيَّةً إِلَهَابِي نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ [سورة الاسراء: ۳۱]

”مغلسی کے ڈر سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔“

﴿قُلْ مَنْ يُرِزُّكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ﴾ [سورۃ سبا: ۲۴]

”پوچھئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ“

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [سورۃ الطلاق- ۳، ۲]

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔“

(۶)..... وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں!

﴿اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ يَقْدِرُ لَهُ﴾ [سورۃ العنکبوت: ۶۲]

”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔“

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ [سورۃ النحل: ۷۰]

”اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے۔“

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ

بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرَآءً﴾ [سورۃ الزخرف: ۳۲]

”ہم نے ہی ان کی زندگی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔“

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ

الْبَابِقَلَمِ مُعَلِّمُونَ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾

”اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنا دی ہیں اور (ان کی بھی) جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو

اور حتمی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے

سے اتارتے ہیں، اور ہم بھیجتے ہیں جو بھل ہوائیں پھر آسمان سے پانی برساکر وہ (پانی) تمہیں پلاتے

ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔“ [سورۃ الحجر: ۲۰، ۲۱]

(۷)..... سارے خزانے اللہ نے صرف اپنے پاس رکھے ہیں، لہذا اسی سے مانگو!

﴿إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الدِّينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يُمْلِكُونَ

لَكُمْ رِزْقًا فَاتَّقُوا اللَّهَ عِنْدَ اللَّهِ الرَّزْقُ وَأَعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿[سورة العنكبوت: ۱۷]﴾
 ”تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو، سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکرگزاری کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے“

(۸)..... کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک اللہ ہے

﴿تَبَرَّكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [سورة الملك: ۱]

”بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمْسُقُ الرَّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ [سورة الشورى: ۱۲]

”آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور (جس کی چاہے)

تنگ کر دے۔“

(۹)..... غیب کا علم بھی صرف اللہ کے پاس ہے

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنَ وَرَقَةٍ إِلَّا

يَعْلَمُهَا وَلَا حِجَابَ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [الانعام: ۵۹]

”اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ

تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو

بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں نہیں اور نہ کوئی خشک اور تر چیز گرتی ہے مگر یہ

سب کتاب مبین میں (اللہ کے پاس) ہے۔“

﴿قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نَفَعًا وَلَا ضَرًّا الْأَمَانَةُ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ لَاسْتَكْبَرْتَ مِنَ

الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [سورة الاعراف: ۱۸۸]

”آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر

اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر

لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو

ایمان رکھتے ہیں۔“

(۱۰)..... قادر مطلق بھی صرف اللہ ہے

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا إِنَّ يُشَاءُ لِيُذْهِبَكُمْ أَهْلَهَا النَّاسُ وَبَاقِيَ بَاخِرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾ [سورة النساء: ۱۳۲، ۱۳۳]

”اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے، اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو مٹا دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

(۱۱)..... معیارِ کل اور مالک الملک (شہنشاہ) بھی صرف اللہ ہے

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ نُورِي الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

”آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے“ [سورة آل عمران: ۲۶، ۲۷]

(۱۲)..... حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے، اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا!

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾

”اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اسے ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔“ [سورة فاطر: ۴۴]

(۱۳)..... نفع اور نقصان بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسکے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا!

﴿وَإِنْ يَسْتَسْكِنُ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنَّ يُرِيدُكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [سورة يونس: ۱۰۷]

”اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے بچھا کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَأَنبِئْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (اے محمد!) آپ اپنے رشتہ داروں کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب اور یوم قیامت سے) ڈراؤ“..... تو آپ نے (اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے ان سے) فرمایا:

اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچالو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عبدمناف کے بیٹو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے محمد کی بیٹی فاطمہ! (اب دنیا میں) میرے مال سے جو چاہو مانگ لو (لیکن قیامت کے روز) اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔“^(۱)

۱۳)..... زندگی اور موت بھی اللہ کے کنٹرول میں ہے، اس کا فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا!

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ لُمَيْتُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

”تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ [سورۃ البقرۃ: ۲۸]

﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَمْوَاتٌ وَأَحْيَا﴾ [سورۃ النجم: ۴۴]

”اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔“

﴿وَأَنَّا لَمُنْعِنُ نُنْحِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾ [سورۃ الحجر: ۲۳]

”ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر) وارث ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [المومن: ۶۸]

”وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ

کہتا ہے کہ ’ہو جا‘ پس وہ ہو جاتا ہے۔“

﴿قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُعْجِنُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأَنْتُمْ فِيهِ﴾ [الحانية: ۲۶]

”آپ کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

(۱۵)..... اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟

﴿وَأَذَّ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا نَسَّطُوكَ الْمَاءَ عَلَى الْحِجَابِ فَقَدْ حَبَّلَ بِهَا مِنْ أَشْجَارٍ مَمْدُودَةٍ﴾ [سورة البقرة: ۲۶۰]

”اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا، تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے کٹڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے“

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوسِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوها لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [سورة البقرة: ۲۵۹]

”یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے لیے اسے مار دیا، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک ایسے رہا ہے، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں۔ تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(۱۶)..... صحت اور شفا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ﴾ [الشعراء: ۸۲، ۷۸]

”جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا اور جس سے میری امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔“

(۱۷)..... اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِحَلْقٍ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا نُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ الدُّكُورَ أَوْ يَزُوجُهُمْ ذُكْرًا أَوْ إِنثًا وَنَسَاءً وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ [سورة الشوری: ۵۰، ۴۹]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹا بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔“

(۱۸)..... قسمت کا مالک بھی صرف اللہ ہے

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْلُوبًا﴾ [الاحزاب: ۳۸]

”اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے (تقدیر) پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔“

(۱۹)..... اچھے کام کی توفیق بھی اللہ ہی دیتا ہے

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

”میرا ارادہ تو اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“ [سورة هود: ۸۸]

(۲۰)..... ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

”آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت پانے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔“ [سورة القصص: ۵۶]

مشرکین مکہ اور موجودہ کلمہ گو مسلمان.....!

آئندہ سطور میں مشرکین مکہ کے حوالے سے بعض وہ اعمال ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے انہیں مشرک کہا گیا۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کئی ایک مسلمان بھی آج انہی جیسے کاموں کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق کو بخیریدگی سے پڑھیے اور سوچیے کہ کہیں ہم بھی معاذ اللہ ان لوگوں کی صف میں تو شامل نہیں.....!

مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے

﴿وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [سورہ لقمان: ۲۰]

”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ، تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔“

﴿وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ... وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَاهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [سورہ العنكبوت: ۶۱، ۶۲]

”اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ، پھر کہہ لائے جا رہے ہیں..... اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔“

﴿وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلِ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ [سورہ الزمر: ۳۸]

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، تو کل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔“

﴿قُلْ لَمَنْ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ يَدِينُ مَلَائِكَتُهُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ بَلْ آتَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَآتَيْنَهُمْ لَكَذِيبُونَ﴾ [سورة المؤمنون: ۸۳، ۸۹]

”پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ یہ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ یہ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں۔“

﴿قُلْ مَنْ يُرِزُّكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يُمَلِّكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَنذَلِّكُمْ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ بِالْحَقِّ إِنْ أَلْسَلْتُمْ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ﴾ [سورة يونس: ۳۱، ۳۲]

”آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ (جو اباً) یہی کہیں گے کہ ”اللہ!“ تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے! سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے، پھر کہاں پھر جاتے ہو؟“

پھر انہیں کافر مشرک کیوں کہا گیا؟

اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرنے کے باوجود مشرکین مکہ کو کافر و مشرک اس لیے کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات (عقیدہ آخرت، عقیدہ رسالت، ایمان بالقرآن وغیرہ) سے انکار کرتے تھے اور یہ ان کا کفر تھا اور یا وہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور حقوق میں دوسروں کو بھی کسی نہ کسی پہلو سے شریک بناتے تھے مثلاً وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کی قوت اور مافوق الاسباب اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔ بطور مثال صحیح مسلم کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے ((لَبَيْتِكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكُنَا هُوَ لَكَ تَمَلِكُهُ وَمَا مَلَكَ))^(۱)

”اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، البتہ ایک شریک ہے اور وہ (شریک) بھی تیرے لیے (تابع) ہے۔ تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات کا بھی تو ہی مالک ہے۔“

یعنی مشرکین مکہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ بزرگوں کی شبیہ پر بنائے ہوئے ان بتوں کے اختیارات عطائی [اللہ کے عطا کردہ] ہیں، انہی عقائد کی وجہ سے اللہ نے انہیں مشرک قرار دیا۔

مشرکین مکہ جن شرکیہ امور کا ارتکاب کرتے تھے، انہیں آج کے بعض کلمہ گو مسلمان بھی جہالت، لاعلمی اور دنیوی مفادات کے پیش نظر ان کے مرتکب بنے ہوئے ہیں۔ تو حید و شرک چونکہ بنیادی و اعتقادی مسائل سے ہے اور اسی پر ہر انسان کی نجات کا دار و مدار ہے اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ کے ان دیگر اعمال کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں واضح کر دیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ”شُرک“ قرار دیا ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص کلمہ تو حید کا زبان سے اقرار کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے انہی شرکیہ اعمال کا مرتکب ٹھہرتا ہے تو اسے خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اس کے کلمہ تو حید کا اسے کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں!؟

غیر اللہ کی عبادت (تعظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)

مشرکین مکہ کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ وہ فرشتوں، جنوں اور بعض نیک لوگوں مثلاً نبیوں اور ولیوں

وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے، فرشتوں اور نیک لوگوں کی عبادت یا تو ان سے محبت کی وجہ سے کی جاتی یا اس لیے کی جاتی کہ یہ اللہ سے ہماری سفارش کر کے ہمیں بچالیں گے۔ مشرکین مکہ کا یہ تصور انہی کی زبانی قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَيَسْتَلُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلِ اتَّبِعُوا اللَّهَ يَمَّا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ نَسْخَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [یونس ۱۸]

”اور یہ لوگ اللہ (واحد کو) چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔“

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرکین مکہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کو مخلوقات کا رب اور کائنات کا خالق و مالک سمجھتے تھے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ تک رسائی اور تقرب کا ذریعہ (وسیلہ) اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ اور وہ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس کی وجہ یا تو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور یا پھر اس کی دوسری وجہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر ہماری دعائیں اور درخواستیں اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہو سکتیں، اور انہیں راضی کیے بغیر ہم اللہ کو راضی نہیں کر سکتے۔ جب کہ جنات کی عبادت ان کے خوف کی وجہ سے کی جاتی تھی کیونکہ مشرکین مکہ جنات سے ڈرتے تھے اور انہیں راضی کرنے کے لیے ان کی پناہ مانگتے، ان کے لیے قربانی دیتے اور اسی طرح کے بعض اور ایسے اعمال بجالاتے جو عبادت میں شامل ہیں۔ [اس کی تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے]

مشرکین صرف بتوں ہی کی عبادت نہیں کرتے تھے!.....!

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ نبیوں، ولیوں، فرشتوں، جنوں وغیرہ جیسی ذوی روح ہستیوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے تو وہ بھی محض اس لیے نہیں کرتے تھے کہ یہ قیمتی پتھر اور نفیس نکڑی کے بت ہیں بلکہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ عظیم لوگوں کی شبیہیں ہیں اور ان کے آگے رکوع و سجدہ یا ان کے لیے نذر و نیاز دینے کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم پتھروں اور بے جان چیزوں کے لیے یہ سب کچھ

کر رہے ہیں بلکہ ان اعمال کو اس نیت سے بجایا جاتا تھا کہ جن عظیم لوگوں کے یہ بت بنائے گئے ہیں ان کی روحیں ہم سے خوش ہو جائیں گی اور وہ روحیں ہماری دنیوی و اخروی مشکلات کو آسان کر دیں گی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور نہ تمہیں جواب دے سکتے ہیں بلکہ وہ تو تمہارے ان اعمال ہی سے بے خبر ہیں اور قیامت کے روز وہ تمہارے ان کاموں سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يُبْلُونَ مِنْ ذُنُوبِهِمْ قَالُوا لَوْلَا إِمَامٌ مِّنْهُمْ يَهْتَدُونَ السَّبِيلَ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كُنَّا نَبْغِي لَكَ أَنْ تَتَّخِذَ مِنْ ذُنُوبِكُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَإِثَابَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا مُّؤْتِرًا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ﴾ [سورة الفرقان: ۱۷، ۱۹]

”اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں، اور جنہیں اللہ کے سوا یہ پوجتے رہے، انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے۔ بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ (سنو! جن کی تم عبادت کرتے ہو) وہ تمہاری ان باتوں کی تکذیب کریں گے، جو تم (ان کے بارے) کہتے ہو۔“

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات دے رکھے ہیں.....!

دنیا میں ہم جو کام بھی کرتے ہیں، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مادی سبب موجود ہوتا ہے مثلاً سخت سردی، یا سخت گرمی یا ناقص غذا کی وجہ سے بیمار ہونا، زہر کھا کر ہلاک ہونا، بیج ڈال کر فصل اگانا، اونچی جگہ سے گرنے سے چوٹ لگنا، چھری چاقو یا بندوق سے زخمی یا قتل کرنا۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور مخلوق ان مادی اسباب کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔ اسے درج ذیل مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے:

سخت بھوک لگی ہو تو اسے دور کرنے کے لیے ’کھانا‘ (خوراک) ایک مادی سبب ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کھانے کے بغیر ہی وہ اپنی یا کسی اور کی بھوک دور کر سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھوکے کی ہم تب ہی مدد کر سکتے ہیں جب ہمارے پاس کھانا موجود ہو اور ہم وہ کھانا بھوکے شخص کو پیش کر دیں، یا ہمارے پاس نقد رقم ہو اور خوراک خریدنے کے لیے وہ رقم ہم سے دے دیں۔ مدد کی یہ تمام صورتیں

مَاتَحْتِ الْأَسْبَابِ کے دائرہ میں داخل ہیں، کیونکہ یہ مدد جس سَبَب سے ممکن ہے وہ سبب ہماری دسترس میں ہے اور اگر وہ سَبَب ہماری دسترس میں نہ ہو تو پھر ایسے معاملے کو مَافِوَقِ الْأَسْبَابِ قرار دیا جائے گا۔ اور کوئی شخص ظاہری اسباب کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا، اگر کوئی یہ کہے کہ وہ خود یا اس کا کوئی بزرگ ظاہری اسباب کے بغیر بھی [یعنی مافوق الاسباب معاملات میں بھی عمل دخل رکھتا ہے تو وہ جھوٹا ہے، اور اگر وہ جھوٹا نہیں تو اسے کسی جگہ بند کر کے یہ کہا جائے کہ وہ اپنی زندگی کے چند دن بغیر کھائے پیے یہاں گزارے۔ آپ دیکھیں گے کہ یا تو وہ بھوک پیاس سے مر جائے گا یا چند ہی گھنٹوں بعد روٹی پانی کے لیے بلکہنا شروع کر دے گا۔ جس کی اپنی ہی یہ حالت ہو وہ مَافِوَقِ الْأَسْبَابِ معاملات میں کسی اور کی خاک مدد کرے گا۔

لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اپنے بتوں اور بعض اپنے نبیوں، ولیوں اور بزرگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مافوق الاسباب معاملات میں بھی اختیارات رکھتے ہیں اور بعض تو یہاں تک سمجھتے ہیں کہ فوت ہونے کے بعد بھی یہ بزرگ مدد کے لیے موجود رہتے ہیں، کچھ یہی عقیدہ مشرکین مکہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات سے نوازا رکھا ہے۔ نیک لوگ چاہیں تو اپنے ماننے والوں کو مشکلات سے نجات، مصائب پر مدد، اولاد اور کاروبار میں نفع اور زندگی میں خیر پہنچا سکتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اپنے نافرمانوں کو عذاب اور نقصان سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔ مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ نیک لوگ خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ، وہ ہر لمحہ اور ہر جگہ جس کی چاہیں مدد کے لیے آسکتے ہیں اور اگر انہیں جنگلوں، صحراؤں، ریگستانوں، دریاؤں اور سمندروں میں اپنی مشکلات و مصائب دور کرنے کے لیے پکارا جائے تو وہ پکارنے والے کی پکار سنتے اور اس کی مدد کی پوری طاقت و اختیار بھی رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ان سارے اختیارات کا اصل مالک تو اللہ ہی ہے مگر مشکلات میں اللہ کے ان نیک بندوں کو پکارنے کا خود اللہ ہی نے حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ باقی سب کو جھوٹا سمجھتے تھے اور زیادہ سخت مشکلات میں ان چھوٹے معبودوں اور نیک بندوں کو پکارنے کی بجائے سب سے بڑے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے ان تمام عقائد و نظریات کی صاف صاف تردید فرمائی اور یہ واضح کر دیا کہ مافوق الاسباب اختیارات سارے کے سارے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نیک لوگ تو

اپنی زندگی میں مافوق الاسباب اختیار نہیں رکھتے تھے پھر مرنے کے بعد انہیں یہ اختیار کیسے حاصل ہو گئے؟ بلکہ قرآن مجید نے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا کہ یہ نیک لوگ تو خود مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں اور اپنے مشکل وقت میں یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی یہی کہا کرتے تھے کہ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں صرف اسی کو پکارو، اسی سے دعا فریاد کرو، اسی کے لیے نذر نیا دو اور اسی کے لیے رکوع و سجود کرو۔ آئیے! ان سب باتوں کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلِ افْتَخَذْتُمْ مِنْ ذُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْسًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْآعْمَىٰ وَالْبَصِيْرُ أَمْ هَلْ تُسْتَوَىٰ الظُّلُمَاتُ وَالنُّوْرُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

[سورۃ الرعد: ۱۶]

”ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اس کے سوا ایسے لوگوں کو کارساز بنا لیا ہے جو خود اپنے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکیاں اور روشنی یکساں ہوتی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے مقرر کردہ شریکوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔“

﴿قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

[سورۃ المائدہ: ۷۶]

”ان سے کہو کیا تم اللہ کے علاوہ ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی نفع کا۔ حالانکہ یہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾

”وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد

آپ کر سکتے ہیں۔“ [سورۃ الاعراف: ۱۹۷]

﴿أَشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَجِيبُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾

”کیا ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔“ [سورۃ الاعراف: ۱۹۱، ۱۹۲]

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كِتَابِطٌ كَتُفِيهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دَعَا الْكَاْفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ [سورۃ الرعد: ۱۴]

”اسی کو پکارنا برحق ہے اور وہ لوگ جو اس کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں۔“

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [سورۃ النحل: ۲۰، ۲۱]

”اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾

”ان سے کہو کہ: پکارو ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ (کچھ) گمان کرتے ہو، پس وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔“ [سورۃ الاسراء: ۵۶]

﴿وَاتَّخَلَّوْا مِنْ دُونِهِ الْهَيْةَ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نُشُوْرًا﴾ [سورۃ الفرقان: ۳]

”اور لوگوں نے اللہ کے علاوہ ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں اور نہ زندہ کر سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔“

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ مِنْ شَرِكٍ وَمَالَهُ مِنْهُمْ مَنْ ظَهَرَ﴾ [سورۃ سبا: ۲۲]

”ان سے کہو پکارو اپنے ان مجبوروں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو! وہ نہ آسمانوں میں سے کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔“

﴿وَيَعْلَمُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾
 ”اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں و زمین میں سے کچھ بھی رزق نہیں دے سکتے اور نہ ہی انہیں اس کام کی استطاعت ہے۔“ [سورۃ النحل: ۷۳]

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعْوٰةَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا سْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِبَيْرِكُمْ وَلَا تَبْنِيْكَ مِثْلَ خَبِيْرٍ﴾
 ”اور وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک پرکھا کے مالک بھی نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دینے والے (اللہ) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔“ [سورۃ فاطر: ۱۳، ۱۴]

﴿قُلْ اَرَاةَ يُدْعَوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْ اُنْسٰى مَا اَدَّخَلْتُمْ مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اِئْتٰنٰى بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَنْزٰرَةً مِّنْ عِلْمِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَن دُعٰۤاۡيِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدٰۤآءٌ وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ [سورۃ الاحقاف: ۶ تا ۷]

”اے نبی (ﷺ)! ان سے کہو: کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔“

مشرکین مکہ سخت جنگی میں صرف اللہ کو پکارتے تھے!

یہ عجیب بات ہے کہ مشرکین مکہ عام حالات میں تو اپنے بتوں وغیرہ کو اپنی مدد کے لیے پکارتے مگر جب کسی شدید مشکل میں گرفتار ہوتے تو اس وقت سارے بتوں اور معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے اور اس سوچ کے ساتھ اللہ کو پکارتے کہ اب اللہ کے علاوہ اور کوئی اس مشکل سے بچا نہیں سکتا.....! ان کی اس حالت کا نقشہ قرآن مجید میں اس طرح کھینچا گیا ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ﴾ [الانعام: ۴۰، ۴۱]

”ان سے کہو: ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آ پڑتی ہے تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو! اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے نال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔“

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّبِكُمْ مِمَّا تَهَاجِرُونَ مِنْ كُلِّ شَرِّ لَئِنْ نَكُوتُمْ تُشْرِكُونَ﴾ [سورة الانعام: ۶۳، ۶۴]

”اے نبی (ﷺ)! ان سے پوچھو صحرا، اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے نجات دیتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت و مشکل میں) گزر گزرا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ کہو اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہو!“

﴿وَإِذَا أَدْقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرِّ آءِ مَسْتَهُمْ إِذِ اللَّهُمَّ مُكْرِمًا فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مُكْرِمًا إِنْ رُسُلُنَا يَكْتُمُونَ مَا تَمْكُرُونَ هُوَ الَّذِي يُسَبِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَئِينَ بِهِمْ بَسْرِئٍ طَبِيبَةٍ وَقَرَحُوا بِهَا جَاءَ نَهَارٌ يَبْحُ عَاصِيفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا لِلَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ

الشُّكْرِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَنْتُونُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴿سورة ہونس: ۲۱، ۲۲﴾

”لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری نشانیوں کے معاملہ میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے کہو اللہ اپنی تدبیر میں تم سے زیادہ تیز ہے، اس کے فرشتے تمہاری سب مکاریوں کو قلم بند کر لیتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے ہیں اس وقت سب اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے نجات دی تو ہم شکر گزار بندے بن جائیں گے مگر جب اللہ نجات دیتا ہے تو پھر وہی حق سے منحرف ہو کر بغاوت کرنے لگتے ہیں۔“

﴿فَإِذَا رَكَبُوا فِي الْفُلِّكَ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾

[سورة العنكبوت: ۶۵]

”جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر کے اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔“

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ

جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کفار مکہ کی عام معافی کا اعلان فرمایا مگر چند ایک خطرناک مجرموں کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ جہاں کہیں بھی نظر آئیں انہیں قتل کر دیا جائے خواہ یہ بیت اللہ کے خلاف ہی میں کیوں نہ لپٹے ہوں!“ انہی میں سے ایک ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ عکرمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے حبشہ کا رخ کیا اور سمندر پار کرنے کے لیے ایک کشتی پر سوار ہو گیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آ گیا اور قریب تھا کہ کشتی ڈوب جاتی چنانچہ تمام کشتی والوں نے ایک دوسرے سے کہا:

((أَخْلِصُوا فَإِنَّ إِلَهَكُمْ لَا تَغْنِي عَنْكُمْ هَهُنَا شَيْئًا))

”اب نجات کے لیے صرف ایک اللہ تو پکارو کیونکہ تمہارے دوسرے معبود یہاں کچھ کام نہیں دے سکتے“

یہ سن کر عکرمہ نے کہا:

((وَاللّٰهِ لَئِنْ لَمْ يُنْجِنِيْ مِنَ الْبَحْرِ اِلَّا الْاَخْلَاصُ لَا يُنْجِنِيْ فِي الْبَرِّ غَيْرُهُ))

”اللہ کی قسم! اگر اس سمندر میں صرف ایک اللہ کو پکارنے سے نجات مل سکتی ہے تو پھر خشکی پر بھی ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دے سکتا۔“
اس کے بعد عمر مہ نے کہا:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَافَيْتَنِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ اَتِيَّ مُحَمَّدًا حَتّٰى اَضَعَ يَدِيْ فِيْ يَدِهِ فَلَا جِدَّةَ غَفْوًا كَرِهْنَا مَآ فِجَاءً فَاَسْلَمْنَا))

”یا اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس طوفان سے نجات دے دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں گا اور مجھے امید ہے کہ محمد ﷺ ضرور غفود رگزر فرمائیں گے۔ چنانچہ پھر عمر مہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔“

اس واقعہ کی روشنی میں ان کلمہ گو مسلمانوں کو بھی اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے جو رزق تو اللہ کا دیا کھاتے ہیں، نماز اور بندگی بھی اسی کے لیے کرتے ہیں، مگر اپنی مشکلات میں اللہ سبح و بصیر کو پکارنا بھول جاتے ہیں، یا اللہ کو پکارتے تو ضرور ہیں مگر جلد ہی تھک ہار کر بزرگوں اور ولیوں کو بھی پکارنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہماری نہیں بلکہ ان کی زیادہ سنتا ہے، لہذا ہم ان تک اپنی فریاد پہنچا دیتے ہیں اور یہ اپنی قبروں ہی میں بیٹھے اللہ تک ہماری فریاد پہنچا دیں گے، محض فریاد ہی نہیں، بلکہ اسے پورا بھی کروادیں گے۔ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ اسی غلط فہمی میں وہ ان بزرگوں کے لیے ایسے اعمال بجالاتے ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی غلط فہمی بہت سے کلمہ توحید کا اقرار کرنے والوں کو بھی شرک میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اللہ ہمیں مرتے دم تک شرک سے محفوظ رکھے، آمین!

.....*.....

(۱) [سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب الحكم في المرد (۴۰۷۲) نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر: بذیل سورۃ.

عبد [عابد] اور معبود

[اللہ اور انسان کا دوسرا باہمی تعلق]

اللہ اور انسان کا دوسرا باہمی تعلق عبد اور معبود کا ہے یعنی انسان عبد (بندہ، غلام) ہے اور اللہ اس کا مالک (معبود) ہے۔ ہم نے عبد اور معبود کے ساتھ عابد اور معبود اس لیے لکھا ہے کہ انسان عبد (غلام) ہونے کے بعد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اللہ کی غلامی (عبادت) کرے اور غلامی کرنا ہی اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق و مالک اور رازق و داتا ہیں، وہی یہ حق رکھتے ہیں کہ تمام انسان اس کی عبادت کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کے آگے سر جھکائیں، اسی سے دعا و فریاد کریں، اسی سے مدد و طلب کریں، اسی کے لیے نذر و نیا ز دیں، جس طرح غلام کا کام اپنے آقا کی اطاعت ہے اسی طرح انسان کا کام اپنے خالق و مالک کی عبادت ہے کیونکہ انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [سورة الذرہات: ۵۶]

”میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ تمہا میری عبادت کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو چونکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ

فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [سورة البقرة: ۲۱، ۲۲]

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا

بچاؤ ہے۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنا یا اور آسمان سے پانی اتار کر اس

سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، جنات اور فرشتے تینوں طرح کی مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کا اختیار نہیں دیا اس لیے وہ ہر آن اللہ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی و حکم عدولی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ [فرشتوں کے بارے تفصیلات کے شائق ہماری کتاب انسان اور فرشتے کا مطالعہ فرمائیں] جبکہ جنات اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی میں اس حد تک اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو پہلی و بھلائی کی راہ اختیار کر لیں اور چاہیں تو بدی اور گناہ کا راستہ چن لیں۔ مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی انہیں متنبہ کر دیا ہے کہ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کریں گے تو روزِ محشر انہیں اس کا اچھا صلہ یعنی جنت دی جائے گی اور اگر وہ بدی کی راہ اختیار کریں گے تو اس کی بری جزا کے طور پر انہیں جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

عبادت کیا ہے؟

یہ بات تو قرآن مجید کی روشنی میں واضح ہو گئی کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اگر کوئی شخص انسان کا مقصد تخلیق عبادت خداوندی کے سوا کچھ اور بیان کرتا ہے تو اس کی بات بلاشک و شبہ قرآن مجید کی صریح تعلیمات کے خلاف ٹھہرے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ 'عبادت' کیا ہے تو اس کی تفصیلات ہم آئندہ طور میں بیان کرتے ہیں:

عبادت..... عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل [ماہ] عبد (یعنی ع۔ ب۔ د) ہے۔ عبادت کا معنی ہے انتہا درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری و فرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے، اسی طرح ایک لفظ عبودیت ہے، اس کا معنی و مفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظ عبادت کا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب مفردات القرآن میں رقم طراز ہیں کہ

”العبودية کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر العبادة کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کہ معنوی اعتبار سے العبادة کا لفظ العبودية سے زیادہ بلوغ ہے لہذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے جو بے حد صاحب افضال و انعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (۱-۳۳) کہ

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ [مفردات القرآن مترجم (ج ۲، ص ۶۶۲، ۶۶۳)]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبدالانسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی و فرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی و فرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہو سکتے ہیں اس کے لیے عہد نبویؐ کے عرب معاشرہ کے آقا و غلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل و ضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اس کا وفادار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی و منشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب و احترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایان شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت و بندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاتباع سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع و سجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاح حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ سچ بولو جو سچ بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تو لو کہی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو..... تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر و حکم، اس کے ادب و احترام اور اس کے مقام و مرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے یہی اس کی عبادت ہے۔

گویا عبادت صرف چند ظاہری اعمال ہی کا نام نہیں اور نہ ہی عبادت کا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعض

لئے، زندگی کے بعض گوشے اور معاملات کے بعض حصے اللہ کے حکم کے پابند یا عادی بنالیے جائیں بلکہ عبادت کا دائرہ پوری زندگی کو محیط ہے اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔

ہمارا چلنا پھرنا، ہمارا کھانا پینا، ہمارا سونا جاگنا، ہمارا گفتگو کرنا، ہمارا تجارت کرنا اور روزی کمانا، لوگوں سے ملنا چلنا، محبت کرنا یا نفرت رکھنا یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی روشنی میں انہیں بجایا جائے اور یہ سب کچھ اللہ کی بغاوت و سرکشی کے دفتر میں لکھا جاسکتا ہے جبکہ انہیں اس کے حکم سے بے پروا ہو کر کیا جائے۔

انسان کی زندگی کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا پابند یعنی اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہوئے اس کا عابد (عبادت گزار) بن جائے اور اس کی عبادت و اطاعت سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہے۔ جو انسان اس راہ میں کامیاب ہو جاتا ہے اور خواہش نفس، مال و دولت، جموئی انانیت، ریا کاری و مشرت، قوم و برادری کی محبت وغیرہ جیسی رکاوٹوں کو عبور کر لیتا ہے وہی شخص نبی الحقیقت مسلمان ہے ورنہ کسی گورے یا کالے کا زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اسلامی نام رکھ لینا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں کہ اس نے اپنا مقصد تخلیق پالیا ہے اور اب وہ قیامت کے روز جنت کا مستحق بن کر اٹھے گا!

عبادت کیسے کی جائے؟

یہ دو باتیں تو واضح ہو چکیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اب ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری (یعنی عبادت) کیسے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام و فرامین سے مطلع کرنے کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ پاکہاز ہستیوں کا انتخاب کیا جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اور ان کے پاس کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ، کبھی فرشتے کے ذریعے اور کبھی بغیر فرشتے کے اپنا پیغام بھیجا جسے 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔ ان تمام انبیاء و رسل کی یہی دعوت رہی کہ لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ تمہارا خالق و مالک وہی رب ہے اس لیے عبادت و اطاعت کا حق بھی اسی کے لیے ہے۔ انبیاء و رسل کی یہ بنیادی اور اصولی دعوت ہر دور میں اور ہر قوم میں

براہر جاری رہی جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَن هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَن حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ﴾ [سورة النحل: ۳۶]

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس نے یہ دعوت دی کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الانبیاء: ۲۵]

”تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

اور اسی کو اللہ نے اپنا قانون بنا کر دنیا میں جاری کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ [سورة الاسراء: ۲۳]

”تمہارا رب یہ حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو“

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت و اطاعت سے متعلقہ جو احکام انبیاء و رسل پر اتارے ہیں انہیں ’شریعت‘ کہا جاتا ہے اور اس شریعت کی پابندی ’عبادت‘ ہے جبکہ یہ ایمان و یقین کہ ہمارا معبود حقیقی، حاکم مطلق اور آقا و فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے آگے ہم نے سر خم تسلیم کرنا ہے، ’دین‘ کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انبیاء و رسل اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے اور اپنے مخاطبین کو یہ کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اس کے سوا عبادت و اطاعت کا اور کوئی مجاز نہیں۔ انبیاء کی یہ دعوت دعوت دین کہلاتی ہے اور اسے قبول کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کیسے کی جائے اس کے لیے انبیاء و رسل اللہ کے حکم (وحی) سے ایک لائحہ عمل (قانون) دیا کرتے تھے تاکہ اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اسی لائحہ عمل اور قانون کا نام شریعت ہے جبکہ اس قانون (شریعت) پر عمل پیرا ہونے کا نام عبادت ہے۔ یہ قانون (شریعت) حالات کی مناسبت سے انبیا کو دیا جاتا اور حالات کی مناسبت ہی سے اللہ تعالیٰ اس میں تبدیلیاں بھی فرماتے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں ان کی اولاد کا (یعنی بہن بھائیوں) کا

آپس میں نکاح اللہ نے جائز ٹھہرایا تھا مگر بعد کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائی کا نکاح حرام ٹھہرا دیا۔ اسی طرح بعض شریعتوں میں دو حقیقی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرنا جائز تھا مگر محمدی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ گویا جب سے یہ کائنات بنی ہے تب سے اس میں حالات کی مناسبت سے شریعتوں میں تبدیلی اور ترمیم و تنسیخ کا عمل جاری رہا، تا آنکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمایا تو آپ کو دی جانے والی شریعت (یعنی اسلام) کو قیامت تک کے لیے ناقابلِ تنسیخ حیثیت دے دی۔ اب محمدی شریعت ہی واحد معیارِ نجات ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمادی ہے۔ اب اسی شریعت پر عمل کرنا عبادت ہے اور اس سے انحراف بغاوت ہے۔

اصل توحید توحیدِ عبادت ہے

اللہ تعالیٰ کو خالق و رازق تسلیم کرنا، کائنات کا مدبر و منتظم اور مالکِ حقیقی مان لینا بھی توحید میں داخل ہے جسے عام اصطلاح میں توحید ربوبیت یا توحید ذات کہا جاتا ہے مگر اصل توحید توحیدِ عبادت ہے جسے توحید الوہیت بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک اللہ ہی کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، اس کے آگے رکوع و سجدہ کیا جائے اور اسی کے لیے نذر و نیازدی جائے، اسی کے حکم و قانون کو بالاتر تسلیم کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں نہ کسی اور کی عبادت و پرستش کی جائے اور نہ کسی اور کا حکم اور قانون اپنایا جائے۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک تسلیم کرنے کے باوجود عبادت و اطاعت کسی اور کی کرے تو اس کی توحید کامل نہیں بلکہ مشرکین مکہ جو اللہ کو خالق، رازق اور کائنات کا مالک حقیقی تسلیم کرتے تھے، انہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافر و مشرک ہی قرار دیا کیونکہ عبادت و اطاعت میں وہ ایک لہجہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ عبادت و پرستش کے لیے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سینکڑوں بت تراش رکھے تھے جبکہ اطاعت و فرمانبرداری کے لیے بھی وہ حضرت محمد ﷺ کا قانون (اسلامی شریعت) اپنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے جب تک توحیدِ عبادت میں انسان کامل نہ ہو اور یہ ثابت نہ کر دے کہ اس کا جینا مناسب اللہ ہی کے لیے ہے، تب تک اس کی نجاتِ اخروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ آئندہ صفحات میں ہم توحیدِ عبادت سے متعلقہ چند اہم باتوں کی تسلیل ذکر کریں گے:

توحید عبادت کی بنیادی صورتیں

توحید عبادت یہ ہے کہ زبان، مال اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں۔ چونکہ عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی، مالی اور جانی۔ اس لیے آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی البتہ اس سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ عبادت کی ان تین قسموں کی بنیاد صحیح بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (حالتِ تشہد) میں یہ پڑھا کرو:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ﴾

[بخاری (۸۳۱-۸۳۵) مسلم (۴۰۲)]

”قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اس کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اور ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

اس حدیث میں تینوں طرح کی عبادت کو اللہ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم زبانی، مالی اور جسمانی، ان تینوں طرح کی عبادات کی مختلف صورتیں بالتفصیل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

عبادت کی پہلی صورت..... زبانی عبادتیں

اس میں دعا، پکار، نداء، فریاد، استغاثہ (مد مانگنا) استعاذہ (پناہ مانگنا) رضا طلب کرنا، اور ذکر و حمد وغیرہ شامل ہیں۔

(۱)..... مدد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا و فریاد کی جائے

کسی نعمت کے حصول، تنگی اور مصیبت سے نجات اور مشکل میں مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا 'دعا' کہلاتا ہے خواہ آہستہ پکارا جائے یا اونچا، تہائی میں پکارا جائے یا لوگوں کے سامنے۔

دعا اور پکار میں یہ دراصل یہ تصور شامل ہوتا ہے کہ جس ذات کو پکارا جا رہا ہے، وہ پکارنے والے کی حالت سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح واقف ہے بلکہ اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا ایسی ذات ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنی مخلوق کی پکار کو سنتی، دلوں کے ارمان کو جانتی اور ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس لیے وہی ذات یہ حق رکھتی ہے کہ تنگی و مصیبت میں اسے ہی پکارا جائے، اسی کے در پر جھولی پھیلانی جائے، اسی سے فریاد کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔ اسی لیے دعا کو عبادت کہا گیا بلکہ انسان محتاج، کمزور اور ضعیف ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ کسی نہ کسی تنگی و مصیبت کا شکار اور ہر آن کسی نہ کسی نعمت کا طلبگار رہتا ہے اور اس کے لیے اسے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلانے اور اس سے مانگنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنے، اسے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کو عبادت کی روح اور مغز قرار دیا گیا۔ حدیث نبوی ہے:

((الدُّعَاءُ مُخِ الْعِبَادَةِ)) ”دعا عبادت کا مغز ہے۔“^(۱)

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ”دعا ہی (اصل) عبادت ہے۔“^(۲)

بعض احادیث میں تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ ((مَنْ لَمْ يُسْئَلِ اللَّهُ يَغْضَبْ عَلَيْهِ))

”جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے اللہ اس پر غصہ کرتے ہیں۔“^(۳)

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو، اسی کو پکارو، اسی سے دعا اور فریاد کرو جبکہ اس کے بالمقابل پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں کہ جس میں کہا گیا ہو کہ اپنی مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو بھی پکار لیا کرو بلکہ عہد نبوی میں جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس نیت سے پکارتے تھے کہ وہ ہماری سنتے اور مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، انہیں کافر و مشرک قرار دیا گیا اور ان کے اس عقیدے کی عقلی و منطقی طریقے سے بھی پر زور تردید کی گئی۔

آئندہ سطور میں ہم چند ایسی آیات کا انتخاب پیش کر رہے ہیں جن میں صرف اور صرف اللہ کو پکارنے کا صاف صاف ذکر بلکہ حکم موجود ہے اور غیر اللہ کو پکارنے کی صاف صاف ممانعت مذکور ہے:

(۱) [ترمذی، کتاب الدعوات، باب منه الدعاء من العبادۃ (ح- ۳۲۷۱)] اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے مگر ترمذی ہی کی

آگے ذکر کردہ دوسری صحیح روایت اس مفہوم میں کفایت کرتی ہے۔

(۲) [ترمذی، ایضاً (ح- ۳۲۷۳)]

(۳) [ترمذی، ایضاً (ح- ۳۲۷۲)]

﴿ اَدْعُوا رَبُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾ [سورة الاعراف: ۵۵]

”تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔“

﴿ وَاِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اٰخٰدًا ﴾ [سورة الجن: ۱۸]

”اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔“

﴿ قُلْ اَرَاةَ يُدْعُوْنَ مِمَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْ وُنٰى مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اِنۡ يُّنۡسِىۡ بِحُكۡبِ مَنْ قَبۡلِ هٰذَا اَوْ اَتۡرَۡةَ مَنْ عَلِمَ اِنْ كُنۡتُمْ صٰدِقِيۡنَ وَمَنْ اَضَلُّ مَعۡنًۢا يُدْعُوۡا مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسۡتَجِیۡبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنْ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً وَّكَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴾ [سورة الاحقاف: ۶۵، ۶۴]

”(اے نبی!) ان سے کہو: کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (تمہارے ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخراں آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔“

﴿ وَالَّذِيۡنَ يَدْعُوۡنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيْۡئًا وَهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ اَمْوَاتٌ غٰیۡرُ اَحۡیَآءٍ وَّ مَا يَشْعُرُوۡنَ اٰمٰنٌ يُنۡعَتُوۡنَ ﴾ [سورة النحل: ۲۱، ۲۰]

”اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

﴿ وَالَّذِيۡنَ تَدْعُوۡنَ مِنْ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَّلَا اَنْفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴾ [الاعراف: ۱۹۷]

”وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔“

تمام انبیاء و ورسل اور اولیائے کرام اپنی مشکلات میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی ذات مافوق الاسباب اختیارات نہیں رکھتی، اس لیے اس نیت و عقیدہ کے ساتھ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ہم ذیل میں چند انبیاء کی وہ دعائیں اور فریادیں ذکر کر رہے ہیں جو انہوں نے مشکل کے وقت اللہ کے حضور کی تھیں اور اللہ ہی نے ان کی مشکل دور فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا:

جب حضرت آدم و حوا کو ایک نطلھی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال دیا تو انہوں نے براہ راست اللہ سے معافی طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگی تھی:

﴿قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”دونوں نے کہا: اے رب ہمارے! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ [سورۃ الاعراف: ۲۳]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش کو معاف فرمادیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی سرکشی و نافرمانی سے تنگ آ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ اللہ کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان سے نجات کے لیے آپ علیہ السلام نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذَهَابًا إِنَّكَ إِذَا تُرَىٰ هُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلْبِثُوا إِلَّا جَعْرًا كَفَّارًا﴾ [سورۃ نوح: ۲۶، ۲۷]

”اور (حضرت) نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سنبھے والا نہ چھوڑ! اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔“

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کی کافر و شرک قوم کو پانی کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کافر و شرک لوگوں سے رحم کی اپیل کرنے

کی بجائے اللہ کے حضور درخواست کی اور کہا:

((حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ)) ”مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“ (۱)

چنانچہ اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا:

حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے زندہ سلامت اپنے پیٹ میں نکل لیا تو اس وقت انہوں نے کسی نبی، ولی، پیر، فقیر وغیرہ کو پکارنے کی بجائے سیدھا اللہ رب العزت کو پکارا اور یہ دعا مانگی:

﴿ فَتَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾

”بالا خرابانہیروں کے اندر سے وہ پکارا اٹھا کہ الہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک

میں ظالموں میں سے ہو گیا ہوں۔“ [سورۃ الانبیاء: ۸۷]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ ﴾

”چنانچہ ہم نے اس کی پکار سنی اور اسے ہم نے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اس طرح بچا لیا کرتے

ہیں۔“ [سورۃ الانبیاء: ۸۸]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کے بارے میں فرمایا کہ

﴿ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَّيْتُ فِي نَجْمِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ [الصَّفّت: ۱۴۳، ۱۴۴]

”اگر وہ (یونس علیہ السلام اللہ کی) تسبیح بیان نہ کرتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔“

چنانچہ اللہ کے حضور فریاد کرنے سے مچھلی نے اللہ ہی کے حکم سے حضرت یونس علیہ السلام کو باہر خشکی پر پھینک

دیا اور اس طرح آپ کی جان بخشی ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت ایوب علیہ السلام ایک عرصہ تک شدید بیماریوں میں مبتلا رہے اور صبر کرتے رہے حتیٰ کہ جب انہوں

نے پکارا تو اللہ ہی کو پکارا اور کہا:

﴿ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴾ [سورۃ ص: ۴۱]

(۱) [بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ان الذین قال لهم الناس... (۴۵۶۴)]

”جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج و دکھ پہنچایا ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ صحت و عافیت بخش دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کئی سالوں تک تڑپتے رہے حتیٰ کہ رو رو کر بینائی بھی ضائع ہو گئی اور اپنے اس غم کو دور کرنے کے لیے جب بھی آپ پکارتے تو ایک اللہ ہی کو پکارتے اور کہتے:

﴿ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ ﴾ [سورۃ یوسف: ۸۶]

”میں تو اپنی پریشانیاں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔“

بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے بیٹے سے ملا دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی عمر جا پہنچے مگر اللہ کے حکم سے ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی مگر جب انہوں نے اولاد کے لیے فریاد کی تو اسی اللہ کے دربار میں جھولی پھیلائی اور یہ دعا مانگی:

﴿ اذْأَدَاي رُبُّهُ نِدَاءَ خَفِيًّا قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ [سورۃ مریم: ۵۳]

”جب کہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰ زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۖ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴾ [سورۃ مریم: ۷]

”اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا نام نام بھی کسی کو نہیں بنایا۔“

(۲)..... صرف اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے:

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے حکم و اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا کسی شخص کو اگر وہ اپنی پناہ میں لے لے تو ساری کائنات مل کر بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی کو اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو ساری کائنات مل کر بھی اس سے نقصان کو دور نہیں کر سکتی اس لیے مخلوق کے شر سے اسی ذات واحد کی پناہ مانگی جائے، خود اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کو یہ تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کریں مثلاً قرآن مجید کی آخری دوسو توں (العلق والناس) میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے کہ جب اس کا اندھیرا پھیل جائے اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔“

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُلُوبِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں (آتا ہوں) دوسرے ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتا ہے، خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“

(۳)..... اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے صرف اللہ کا ذکر کیا جائے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوا بُحْرَةً وَأَصِيلًا ﴾ [الاحزاب: ۴۱، ۴۲]

”مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔“

(۴)..... صرف اللہ کی قسم کھائی جائے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے باپ کی قسم کھائی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰكُمْ اَنْ تَخْلَعُوْا بِاَيْدِيكُمْ مِنْ سَكَانٍ خَالِفًا فَلْيَخْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَضْمَتْ))

”خبردار! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ جو شخص قسم کھانا چاہے اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔“^(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے لا اِلهَ اِلاَ اللّٰهُ کہہ لے۔“^(۲)

(۵)..... توبہ و انابت:

انسان کو چاہیے کہ گناہوں کے سرزد ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے کیونکہ وہی ذات گناہوں کو معاف کرنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا لَهُ﴾ [سورة الزمر: ۵۴]

”تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے لیے فرمانبردار بن جاؤ۔“

(۶)..... توکل و اعتماد:

انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور اسی پر حقیقی توکل کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [سورة المائدة: ۲۳]

”اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [سورة الطلاق: ۳]

”جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔“

عبادت کی دوسری صورت..... جسمانی عبادتیں

زبان چونکہ جسم کا حصہ ہے اس لیے زبان سے کی جانے والی عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح دل بھی جسم کا حصہ ہے اور اس سے متعلقہ عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔ زبانی عبادتوں کو چونکہ ہم گزشتہ سطروں میں ذکر کر چکے ہیں اس لیے اب یہاں قلب و جسم سے متعلقہ عبادتوں کو بیان کیا جائے گا:

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب لا تحلفوا بائناکم (ج- ۶: ۶۶۶)

(۲) صحیح بخاری، ایضاً، باب لا یحلف بالات والغری (ج- ۶: ۶۶۰)

دل سے متعلقہ عبادتیں

اس میں وہ عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل کے ساتھ ہے مثلاً ایمان و یقین، محبت و خشیت، رجا و رغبت، توکل و امانت وغیرہ۔ آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱).....ایمان و یقین:

انسان کو چاہیے کہ وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور رب ہونے پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، تقدیر اور یومِ آخرت پر بھی کامل یقین رکھے۔ ان چھ چیزوں پر یقین آرزگانِ بِالْإِيمَانِ کہلاتا ہے۔ ایمان کے ان ارکان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْأَخِيرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“ [سورۃ النساء: ۱۳۶]

(۲).....محبت و خشیت:

انسان کو چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھے اور سب سے زیادہ ڈر بھی اسے اللہ ہی کا ہونا چاہیے، حتیٰ کہ دوسروں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی اس کے نزدیک اللہ کی رضا مندی اور ناراضی ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۶۵]

”اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔“ نیز ارشاد باری ہے:

﴿ فَلَا تَخْشَوْنَ النَّاسَ وَاخْشَوْنِي ﴾ [المائدۃ: ۴۴] ”تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔“

(۳).....رجا و رغبت:

انسان کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرے کیونکہ تمام بھلائیاں اللہ

تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُسَدِّلُ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُنْزِلُ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ وَتُنْزِلُ الْيَلَّ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْحَبَّ وَالنَّخْلَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخْلَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخْلَ وَالزَّيْتُونَ﴾

”آپ کہہ دیجئے: اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے۔ تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے۔“ [سورۃ آل عمران: ۲۶، ۲۷]

جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں

اس میں نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و روزہ وغیرہ شامل ہے، ان کی تفصیل آئندہ طور میں بیان کی جا رہی ہے:

(۱)..... نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَنَسَيْتُ وَمَخَّيْتُ وَمَتَّيْتُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۶۲]

”(اے نبی!) آپ فرمادیجئے کہ یقیناً میری نماز، اور میری ساری عبادت (اور قربانی) اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔“

﴿حَافِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَقُوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۳۸]

”نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے ہوا کرو۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمْتَمِلَ لَهُ الرَّجَالُ قِيَامًا فَلْيَبْتَوُا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

”جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر کی طرح (بے حس و حرکت اور باادب ہو کر) کھڑے ہوں تو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔“ (۱)

(۱) [ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی کراهیۃ قیام الرجل للرجل (ج ۲۷۵۵) ابو داؤد (ج ۵۲۲۹)]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بنی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ (قَالَ) يَوْكَاثُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ)) [ترمذی: ایضاً (ح: ۲۷۰۴)]

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کے رسول سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور جب وہ آپ کو (تشریف لاتے) دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس قیام کو ناپسند کرتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی کے لیے باادب ہو کر قیام کرنا اس کی حد درجہ تعظیم ہے اور حد درجہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض روایات سے قیام کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس وقت ہے جب قیام تعظیسی نہ ہو بلکہ قیام استقبالی ہو اور اس میں کھڑے ہونے والے کی تحارت نہ ہو اور نہ ہی دوسرا شخص بطور تکبر اس کو پسند کر رہا ہو۔

واضح رہے کہ بعض لوگ ’مخفل میلاد‘ منعقد کرتے ہیں تو آخر میں کچھ دیر کے لیے اس خیال سے ازاراۃ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ حالانکہ اول تو اللہ کے رسول عالم برزخ میں ہیں اور عالم برزخ کا ہمارے اس عالم حیات سے کوئی تعلق نہیں اور دوسری بات یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ تعظیم کے لیے کھڑا ہوا جائے اور جب صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کے لیے تعظیماً کھڑا نہیں ہوا کرتے تھے تو ہمارے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ ہم ایک فرضی تصور کے ساتھ آپ کے لیے کھڑے ہوں.....!؟

(۲)..... رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے:

کسی کے آگے جھکنا رکوع کہلاتا ہے اور ماتھا زمین پر ٹیک کر بچھ جانا سجدہ کہلاتا ہے۔ رکوع اور سجدہ یا تو کسی کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے یا پھر اس کی پرستش کی نیت سے۔ جہاں تک عبادت و پرستش کے لیے رکوع و سجود کا تعلق ہے تو یہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ جبکہ تعظیم اور ادب و احترام کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کے آگے رکوع و سجود بعض شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر محمدی شریعت میں تعظیسی

رکوع و سجود سے بھی منع فرمادیا گیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَانْعَمُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

”اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرتے رہو، اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو، اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“ [سورۃ الحج: ۷۷]

﴿ وَمِنَ آيَاتِهِ الْبُرُوجُ وَالنَّهَارُ وَاللَّيْلُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ

الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِثْمًا تَعْبُدُونَ ﴾ [سورۃ حۃ السجدة: ۳۷]

”دن اور رات، اور سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو،

بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے تو۔“

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حیرہ (یعنی کے شہر) آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے

لوگ اپنے بادشاہ موزن بنان کے لیے سجدہ کرتے تھے میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول ﷺ (ان حاکموں

اور بادشاہوں کے مقابلہ میں) سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ جب میں اللہ کے رسول ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں حیرہ شہر میں گیا تو وہاں دیکھا کہ

لوگ اپنے بادشاہ مسوزبان کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو

سجدہ کریں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا گزرمیری قبر پر ہو تو کیا میری قبر پر بھی تم

سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُمْ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَا مَرُثَ النِّسَاءِ أَنْ يُسْجَدَ لَازْوَاجِهِنَّ

لِمَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ))^(۱)

”پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو یہ حکم دینا چاہتا کہ وہ (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدہ کرے

تو پھر میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاندنوں کو سجدہ کریں، اس حق کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے

خاندنوں کے لیے مقرر کیا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جھکنا اور سجدہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، اگر تعظیم کی نیت سے

ایسا کیا جائے تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر عبادت و پرستش کی نیت سے کیا جائے تو پھر یہ شرک اکبر ہے۔ نبی

اکرم ﷺ نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ انسان اپنے جیسے انسان یا مخلوق کے لیے سجدہ ریز ہو بلکہ اپنے لیے بھی کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اب یہ تو ہے قرآن و سنت کی صاف شفاف اور موحدانہ تعلیم مگر افسوس ان کلمہ گو اور نام کے مسلمانوں پر جن کی جبین غیر اللہ کے آگے جھکتی ہے اور اس سے زیادہ افسوس ہے ان نام نہاد علماء پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کے سجدہ کرنے یا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں کے سجدہ کرنے کو اس بات کے ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہے حالانکہ اگر پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز بھی تھا تو آخری صاحب شریعت اور خاتم النبیینؐ نے اس کو منسوخ فرما دیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ضد کرے تو اس کے لیے سوائے دعا اور اس کے اس رویہ پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے!.....

قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت:

ذیل میں چند صحیح احادیث ذکر کی جا رہی ہیں جن میں قبروں پر سجدہ کرنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

(۱)..... حضرت جناب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا: ”لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (مسجدیں) بنا لیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔“ (۱)

(۲)..... حضرت اُم حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

”یقیناً ان (یہود و نصاریٰ) میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کرتے، یہی لوگ روز قیامت اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے۔“ (۲)

(۳)..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسولؐ کا یہ ارشاد سنا:

”بلاشبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو سجدہ گاہیں (یعنی مسجدیں) بنا لیں گے۔“ (۳)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور۔۔۔ (ح-۵۳۲) واضح رہے کہ یہاں حدیث میں مسجد کا لفظ آیا ہے اور لغت کی رو سے مسجد اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سجدہ کیا جاتا ہے، خواہ وہ جگہ قبرستان ہو یا نماز پڑھنے کی مخصوص عمارت (مسجد)۔ اس حدیث میں لفظ مسجد کے دونوں ہی معنی مراد لیے گئے ہیں، جیسا کہ اگلی حدیثیں بھی اس کی وضاحت کر رہی ہیں، اس لیے اس ممانعت کے حکم میں عموم پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبروں پر نہ تو سجدہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی قبر پر مسجد بنانا جائز ہے، حتیٰ کہ اگر پہلے سے مسجد بنی ہو تو وہاں بعد میں قبر بنانا بھی جائز نہیں۔]

(۲) [بخاری: الصلاة (۴۳۴) مسلم (۵۲۸) (۳) [احمد (۴۰۵۱) ابن حبان (۲۳۱۶) ابویعلیٰ (ح-۵۳۱۶)]

(۲)..... ایک اور حدیث نبوی ہے کہ

((لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إِلَيْهَا))

”قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھو۔“^(۱)

(۳)..... طواف و اعتکاف بھی صرف اللہ کے لیے:

اجر و ثواب کی نیت سے کسی خاص مقام کے گرد چکر لگانا طواف اور اسی نیت سے کسی خاص مقام پر مخصوص مدت کے لیے بیٹھنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بابرکت گھر بیت اللہ کے گرد چکر لگانا یعنی طواف کرنا حج و عمرہ کی عبادت میں شامل ہے اور یہی ایک گھر ہے جس کا طواف عبادت ہے اس کے علاوہ کسی اور گھر، مقام یا جگہ کا طواف غیر اللہ کی عبادت میں شمار ہوگا۔ بیت اللہ کے طواف کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿وَعِبَدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَ آيَاتِنَا لِلطَّائِفِينَ وَالْمَعْبُودِينَ وَالرُّكَّعِ

السُّجُودِ﴾ [سورة البقرة: ۱۲۵]

”اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔“

مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ اپنے بعض بتوں کے آستانوں کا طواف بھی کیا کرتے تھے۔ طواف چونکہ ایک عبادت ہے اس لیے مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے لیے طواف واضح طور پر شرکیہ عمل تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بالآخر ختم فرما دیا اور قیامت کے قریب اس شرک کے دوبارہ شروع ہو جانے کے بارے میں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ

﴿لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ تَضْطَرَّبَ الْآيَاتِ نِسَاءَ قَوْسِ عَلَىٰ ذِي الْخَلْصَةِ: وَذُو الْخَلْصَةِ:

طَاغِيَةُ قَوْسِ النَّبِيِّ كَمَا نَوَّأُوا يَتَّبِعُونَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ﴾^(۲)

”قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوس قبیلے کی عورتوں کے سرین ذُو الْخَلْصَةِ پر حرکت کریں گے۔“
[یعنی عورتیں اس بت کے گرد طواف کریں گی] ذُو الْخَلْصَةِ دوس قبیلے کا بت تھا جس کی اہل عرب

(۱) [مسلم، الحناظر: باب النهي عن الحلو من على القبر (۹۷۲) ابو داؤد (۷۱/۱) نسائی (۱۲۴/۱) ترمذی (۱۰۴/۱)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تغير الزمان حتى تغيب الاوثان (۷۱۱۶) صحیح مسلم (۲۹۰۶)]

دور جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔^(۱)

طواف تو صرف بیت اللہ کا کیا جاسکتا ہے جبکہ اعتکاف کسی بھی مسجد میں اور کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے لیے ہو کیونکہ اعتکاف بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کا حقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مسجد چھوڑ کر کھلے میدانوں میں اعتکاف کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں!

۴)..... حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے:

حج اور روزہ بھی چونکہ عبادت ہیں اس لیے یہ حق بھی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اسی کے لیے روزہ رکھا جائے اور اسی کے لیے اس کے گھر (بیت اللہ، کعبہ) کاج کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے روزہ رکھے یا بھوک برداشت کرے یا کسی اور کے لیے حج کرے تو اس کا یہ عمل یقیناً شرک ہوگا۔

عبادات کی تیسری صورت..... مالی عبادتیں

اس میں نذرونیاز، صدقہ وغیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

نذرونیاز صرف اللہ کے لیے:

’نذرونیاز کی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ’منت‘ اور فارسی میں ’نیاز‘ کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل عبادت کی وہ قسم ہے جسے کوئی شخص اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ ارادہ کر لے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں اس کے بدلہ میں اتنے نوافل ادا کروں گا، یا میری فلاں مشکل حل ہو گئی تو میں اتنا صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ نذرونیاز میں اگرچہ ہر طرح کی عبادت شامل ہوتی ہے مگر عام طور پر اسے مالی عبادت کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مولانا وحید الزمان قاسمی رقم طراز ہیں کہ

”نذر، منت وہ صدقہ یا عبادت وغیرہ جسے اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کیا جائے اور اپنے مقصد کی تکمیل

پر اسے ادا اور پورا کیا جائے۔“ (القاموس الوحید: ص ۱۶۳)

معلوم ہوا کہ نذرونیاز، منت اور چڑھاوا عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس سے خود ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی غیر اللہ کے لیے نذرونیاز دے یا غیر اللہ

(۱) [اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے ہماری کتاب: قیامت کی نشانیاں، ص ۱۰۷، ۱۰۸]

کے لیے منت مانے تو وہ شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کفار مکہ جو غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دیتے تھے ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ [سورة الانعام: ۱۳۶]

”اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر لیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔“

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [سورة المائدة: ۱۰۳]

”اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو شروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں، وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔“

واضح رہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حام وغیرہ ان مخصوص جانوروں کے نام ہیں جنہیں مشرکین مکہ غیر اللہ کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو سخت ناپسند کیا۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا کتابزاد اگناہ ہے اس کا اندازہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایک آدمی کبھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا کبھی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں دو آدمی تھے جو ایک جگہ سے گزرے اور وہاں لوگوں نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب تک اس کا چڑھا واند چڑھایا جاتا تب تک کوئی شخص وہاں سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ان دو میں سے ایک سے کہا کہ اس بت کے لیے کچھ نذر و نیاز پیش کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نذر و نیاز تو دینا پڑے گی خواہ ایک کبھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے کبھی کا چڑھا واند چڑھایا اور وہاں سے گزر گیا یہ تو (اپنے اس فعل کی وجہ سے) جہنم میں گیا۔“

ان لوگوں نے دوسرے آدمی سے بھی کہا کہ نذر پیش کرو۔ اس نے کہا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی

نذرانہ نہیں دے سکتا۔ تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ جنت میں جا پہنچا۔“ (۱)

یاد رہے کہ غیر اللہ کے لیے نیاز دی جانے والی چیز کھانا بھی درست نہیں بلکہ ایسی چیز کو مردار اور خنزیر کھانے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ [دیکھیے: سورۃ المائدہ: آیت ۳]

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر غیر اللہ کے لیے ایک مکھی کا چڑھاوا جہنم میں لے جاسکتا ہے تو ان لوگوں کا کیا بنے گا جو غیر اللہ کے لیے بکرے، چھترے اور دیگوں کی دیکھیں چڑھا دیتے ہیں، اور انہیں اسے کار خیر بھی سمجھتے ہیں!..... اللہ ہم سب کو عقیدہ توحید کی سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے

قربانی بھی ایک عبادت ہے اس لیے اگر اللہ کے علاوہ کسی اور خوش کرنے کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [سورۃ الکوثر: ۲]

”اپنے رب کے لیے آپ نماز پڑھیے اور (اسی کے لیے) قربانی کیجیے۔“

جو حلال جانور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کیا جائے وہ جانور بھی پھر حلال نہیں رہتا بلکہ حرام ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ [سورۃ المائدہ: ۳]

”تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ اور جو گھاگھنے سے مرہا اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو کسی اونچی جگہ سے گر کر مرہا ہو اور جو کسی کے سینک مارنے سے مرہا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے (اگر مرنے سے پہلے) تم ذبح کر ڈالو تو وہ حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو (وہ بھی حرام ہے)۔“

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذَكِّرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ [سورۃ الانعام: ۲۱]

”اور وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

(۱) [حلیۃ الاولیاء: لابی نعیم (ج ۱ ص ۲۰۳) کتاب الزہد لاحمد بن حنبل (ص ۱۵)]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ:

((لَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ أَوَى مُخْدِئًا وَلَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعْنَةُ مَنْ غَيْرَ مَنْزِلِ الْأَرْضِ))^(۱)

”اللہ تعالیٰ نے چار بندوں پر لعنت فرمائی ہے:

(۱)..... ایک وہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے۔

(۲)..... دوسرا وہ جو (اپنی جگہ بڑھانے کے لیے) زمین کی حدیں تبدیل کرے۔

(۳)..... تیسرا وہ جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔

(۴)..... چوتھا وہ جو کسی بدعتی شخص کو جگہ دے۔“

اسی طرح درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے کسی شرکیتہ مقام پر اللہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرنا جائز نہیں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے بوائے نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی سنت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

((هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟))

”کیا وہ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟“

اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

((هَلْ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟))

”کیا وہاں مشرکین کے تہواروں (میلوں) میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوا کرتا تھا؟“

اس نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پھر اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جو نذر اللہ کی نافرمانی پر مشتمل ہو، اسے پورا کرنا جائز نہیں۔“^(۲)

.....*.....

(۱) [مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبیح لغیر اللہ (ح-۱۹۷۸)]

(۲) [سنن ابو داؤد (ح-۳۳۱۳)]

محتاج اور غنی

[اللہ اور انسان کا تیسرا باب ہی تعلق]

اللہ کے ساتھ انسان کا تیسرا تعلق یہ ہے کہ انسان فقیر محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی اور قادر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بِنَائِمِهِمُ النَّاسُ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ إِنْ يَشَأْ يُلْهِمُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ [سورۃ فاطر: ۱۵ تا ۱۷]

”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔“

انسان کو قدم قدم پر اللہ کی مدد کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جہاں اللہ کی ضرورت نہ پڑے حتیٰ کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی صریح معنوں میں انسانِ کامل تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے اتنے طلبگار تھے کہ اللہ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرَفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پس تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور تو میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“ (۱۶)

انسان بیمار ہو، تنگ دست ہو، پریشان ہو، مشکل کا شکار ہو یا رزق، مال اولاد اور دیگر دنیوی ضروریات کا طلبگار ہو..... ہر حالت میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جو اس کی مدد کر سکتی ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات باریکات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے، وہی اسے نعمتوں سے نوازتا اور مصیبتوں کے ساتھ آزماتا ہے۔ وہ چاہے تو انسان کو کبھی مشکل کا شکار نہ ہونے دے اور اگر وہ چاہے تو انسان کو زندگی بھر امن اور چین نصیب نہ ہونے دے۔

معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں مگر انسان جب اس کی بغاوت و نافرمانی اور ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اسے اپنی قدرت و طاقت سے متنبہ کرنے اور اپنے عذاب سے مطلع کرنے کے لیے دنیا میں بھی اپنی پکڑ کی تھوری سی جھلک دکھا دیتا ہے تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

الحمد للہ! وہ سراپا عدل ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ اپنے ایمان والوں کو مزید ثواب سے نوازنے کے لیے ان کی آزمائش کرتا اور انہیں دنیوی مصائب سے دوچار بھی کرتا ہے تاکہ ان کا ایمان و یقین پختہ ہو، ان کی استقامت و ثابت قدمی میں اور مضبوطی آئے، وہ پلٹ پلٹ کر اللہ ہی کی طرف رجوع کریں، اس سے دعا و مناجات کریں، اس سے التجا و درخواست کریں، اسی کے آگے جھکیں، اسی سے معافی مانگیں، اس کے آگے جھولی پھیلائیں، اسی کی رضا طلب کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنا کر اشرف المخلوقات کا شرف بخشا، عقل و شعور سے نوازا، اور ساری کائنات کو ہماری خدمت اور ضرورت کے لیے بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ [سورة البقرہ: ۲۹]

”وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔“

اللہ چاہتا تو ہمیں انسان کی بجائے حیوان بنا سکتا تھا اور اگر واقعی وہ ہمیں گائے، بھینس، بکری، بکھی، بلی، کتے، چوہے وغیرہ کی شکل میں پیدا فرمادیتا تو کس کی مجال تھی کہ وہ جانور بننے سے انکار کرتا.....!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر ہمارے مطالبہ کے انسان بنا دیا جو اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ پھر اس نے ہمیں بغیر مانگے ہاتھ، پاؤں، عقل، شعور، آنکھیں اور دیگر نعمتوں سے نوازا۔ ماں کے پیٹ میں رزق کا بندوبست کر دیا۔ دنیا میں جینے کے لیے وسائل سے نوازا، کمائی کے لیے صلاحیتیں عطا کیں، ترقی کے لیے مواقع فراہم کیے، دنیا جہاں کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس کی توفیق اور عنایت کے بغیر ہمیں مل گئی ہو۔ اور پھر اس نے نعمتیں بھی اتنی عطا کر دیں کہ ان کا نہ شمار ہے اور نہ حد و حساب۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَن تَكْمَلُوا الْأَعْمَالَ إِنَّ مَسَالِكُ الْمُتَوَكِّلِينَ وَاللَّهُ لَا تَحْصُوهُمَانِ الْإِنْسَانَ لَقَلْبَهُمْ كَفْرًا﴾

”اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی نا انصاف اور ناشکر ہے۔“ [سورۃ ابراہیم: ۳۴]

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَتًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَتَّبِعِكُمْ لِمَلِكٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَنْ رُحِمَتْهُ جَعَلَ لَكُمْ الْيَوْمَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ وَنَزَّغْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝﴾ [سورۃ القصص: ۷۷ تا ۷۵]

”پوچھئے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی محبوب ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے، جس میں تم آرام حاصل کرو کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو، یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو۔ اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ بنا تے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا۔“

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال و دولت، اولاد اور کاروبار وغیرہ میں ترقی و اضافہ، اس کی عزت و شہرت اور نیک نامی صرف اس کی ذہانت، محنت علم اور کوشش کا نتیجہ ہے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے کیونکہ جس عقل و ذہانت، علم و شعور اور محنت و کوشش کے بل بوتے پر اس نے دنیا میں کچھ حاصل کیا وہ عقل و ذہانت اور علم و شعور آخر اسے کس نے عطا کیا تھا.....؟ جس محنت و کوشش کا وہ نام لیتا ہے، اس کی توفیق کس نے اسے دی تھی.....؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کیا اس سے عقل و ذہانت چھین نہیں سکتے تھے.....؟ کیا اسے معذور محتاج بنا کر محنت و کوشش سے روک نہیں سکتے تھے.....؟

بلکہ ایسے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بیسیوں مثالیں پیدا کر دیں۔ کسی کو انتہا درجہ کی عقل و ذہانت دے کر پھر چھین لی اور وقت کے عقلا پھر اس حق و پاگل کہلائے۔ کسی کو مال و دولت دے کر پھر کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ کسی کو شہرت و نیک نامی دے کر پھر سوائے زمانہ

بنادیا۔ کسی کو تاج شاہی سے نواز کر پھر تختہ دار پر کھینچا اور رہتی دنیا تک نمودن عبرت بنا دیا.....!

اگر انسان اللہ کی توفیق و عنایت اور فضل و کرم کا انکار کرتا اور صرف اپنی ذہانت، محنت، تجربہ اور کوشش پر گھمنڈ کرتا ہے تو پھر وہ بتائے کہ 'ابو کلم' جیسے 'ابو جہل' کیسے بن گئے؟ فرعون وہاں جیسے اپنی بادشاہیاں کیوں نہ بچا سکے؟ قارون جیسے اپنے خزانوں کے ساتھ کیوں زمین میں دھنسا دیئے گئے.....؟

آئندہ سطور میں بطور عبرت قارون نامی ایک مالدار تکبر و مغرور شخص کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مِصْرَ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَأَتَيْنَهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولَىٰ الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَاتَّبَعَ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرَ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بَلِّغْنَا لَنَا مِنْ مَّا أُوتِيَ قَارُونَ إِنَّهُ لَنَدُوْحَطٌ عَظِيمٌ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ نَوَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُفْلِحُهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يُنصُرُوْنَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيُكَانُ اللَّهُ يَشْهَدُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيُكَانُ اللَّهُ يَفْلَحُ الْكٰفِرُونَ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [سورة

القصص: آیات ۷۶ تا ۸۴]

”قارون تھا تو قوم موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اتر امت! اللہ تعالیٰ اترانے (تکبر کرنے) والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دینی حوصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو،

یقین مان کہ اللہ مسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔ قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔ کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے ہستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے، اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔ پس قارون پوری آزمائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں۔ (آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے، وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ آخرت کا یہ (بھلا) گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے تہایت ہی عمدہ انجام ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا، تو ایسے بد اعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔“

سب سے بڑی نعمت ایمان و اسلام کی نعمت ہے

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿فَمَنْ رُحِضَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [سورۃ آل عمران: ۱۸۵]

”پس جو شخص آگ (جہنم) سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔“

جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کی بنیاد ایمان و اسلام ہے، جس انسان کو ایمان و اسلام کی یہ دولت مل گئی اس کو سب کچھ مل گیا اور جو اس دولت سے محروم رہا، اسے دنیا جہاں کی ساری نعمتیں میسر آ جائیں وہ پھر بھی خسارے میں ہے۔ ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا نا اور کسی کے بس کی بات نہیں

حتیٰ کی حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی آپ کے چچا ابوطالب ایمان لے آئیں مگر وہ آخری دم تک ایمان نہ لائے اور علیؑ مِلَّةَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ کہہ کر فوت ہوئے چنانچہ حضور ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [سورة القصص: ۵۶]

”یقیناً آپ جس سے محبت کریں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے“ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کچھ لوگ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ پر احسان جتلانے لگے کہ دیکھو ہم نے بھی تمہارا دین قبول کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿بِمُنُونٍ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ

لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [سورة الحجرات: ۱۷]

”وہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ ذرا صل اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔“

انعامات کے ساتھ آزمائش بھی یعنی ہے

جس طرح ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد و حساب ہیں اسی طرح ہر انسان پر اللہ کی طرف سے آزمائش اور مصائب و مشکلات بھی آتی ہیں، خواہ انسان مسلمان ہو یا کافر۔ دین دار ہو یا بے دین۔ مالدار ہو یا غریب۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی پر تھوڑی مصیبت آتی ہے کسی پر زیادہ، کسی کو مال و دولت کے سلسلہ میں پریشانی آتی ہے کسی کو اولاد کے سلسلہ میں، کسی کو جسمانی و طبی حوالے سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کسی کو عزت و عصمت کے حوالے سے۔

گویا آزمائش و مصائب کی نوعیت تو مختلف ہو سکتی ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو زندگی بھر کوئی مصیبت، تنگی، پریشانی اور آزمائش کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْعُمُرَاتِ وَبَشِيرٍ

السُّبْرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ

رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَلُونَ﴾ [سورة البقرة: ۱۵۵، ۱۵۷]

”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے مال و

جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“

مصائب و مشکلات کیوں آتی ہیں...؟

یہ بات تو قرآن مجید نے واضح کر دی کہ ہر انسان مصائب و مشکلات کا شکار ہوتا ہے تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟

قرآن و سنت سے اس کا جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و مشکلات کی دو وجوہات ہیں:

(۱)..... ایک تو یہ ہے کہ ہر انسان کی آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتے ہیں اور اس کی تقدیر میں لکھ دیتے ہیں کہ اسے فلاں فلاں مصائب سے دوچار کر کے آزمایا جائے گا جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی گزشتہ بالا آیت ۱۵۵ سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح درج ذیل آیات میں بھی یہی بات کچھ اور انداز میں دہرائی گئی ہے:

﴿ أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ اللَّهُ بِهِمْ آيَاتٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ

اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ﴾ [سورۃ العنکبوت: ۲۰، ۲۱]

”کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ”ہم ایمان لائے ہیں“ ہم انہیں بغیر آزمائش کے [امتحان لیے] یوں ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ہر انسان کے دین و ایمان کی آزمائش ہوتی ہے اور اسی آزمائش و امتحان کے لیے اسے مختلف مصائب و مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار کیا جاتا ہے۔

(۲)..... مصائب و مشکلات نازل ہونے کی دوسری صورت خود انسان کے برے اعمال ہیں۔ برے اعمال کی اصل سزا تو مرنے کے بعد ہی ملے گی کیونکہ دنیا دار الجزا نہیں ہے مگر بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ لوگوں کے برے کرتوت (گناہ و جرائم) کی وجہ سے انہیں اس دنیا میں بھی تھوڑی بہت سزا دے دیتے ہیں اور یہ سزا مصائب و مشکلات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)..... ﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿سورة الروم: ۴۱﴾

”دخلتی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ اللہ چکھا دے۔ (بہت) ممکن ہے کہ وہ (بد اعمالیوں سے) باز آ جائیں۔“

۲)..... ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ [الشوری: ۳۰]

”تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ (اللہ) تو بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔“

یعنی بہت تھوڑی برائیاں اور گناہ ایسے ہیں جن کی معمولی سزا دنیا میں دی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر گناہوں سے اللہ تعالیٰ دنیا میں درگزر فرماتے ہیں ورنہ تمام گناہوں پر اگر اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں پکڑ فرمانا شروع کر دیں تو اللہ کی سزا اتنی سخت ہے کہ اس کے نتیجے میں اس دنیا سے انسان و جنات ہی نہیں، چرند و پرند اور دیگر مخلوقات کا بھی نام و نشان مٹ جائے، اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿لَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَاتِجَةٍ﴾ [سورة فاطر: ۴۰]

”اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال (کرتوتوں) پر فوراً پکڑ شروع فرمادیں تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے۔“

یعنی زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔ یہی بات سورہ نحل میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ ذَاتِجَةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [سورة النحل: ۶۱]

”اگر لوگوں کے گناہ (ظلم و معصیت) پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا لیکن اللہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے، جب ان کا وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ ایک ساعت (گھری) نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

یاد رہے کہ اس دنیا میں انبیاء سمیت بڑے بڑے نیک لوگ بھی مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں اور ان انبیاء و اولیاء کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونے کی وجہ ان کے گناہ یا ان کے ایمان کی آزمائش نہ تھی بلکہ اس سے ایمان والوں کو یہ سبق سکھانا مقصود تھا کہ مصائب و مشکلات میں جو رویہ اور طرز عمل انبیاء و رسل نے اختیار کیا، وہی تمہیں بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انبیاء و رسل نے مشکلات کے موقع پر ایک

طرف صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا اور دوسری طرف اللہ کے حضور دستِ سوال بلند کیا۔ گزشتہ فصل میں ہم نے بعض برگزیدہ پیغمبروں کی دعائیں اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے درج کی تھیں۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب: انسان اور گناہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مصائب و مشکلات سے نجات کی راہیں...!

یہ بات تو طے ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں گونا گوں مصائب، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا قطع نظر اس سے کہ وہ غریب ہے یا امیر۔ نیک ہے یا بد، بوڑھا ہے یا جوان، مرد ہے یا عورت..... کیونکہ ہر انسان کی مشکلات اور پریشانیاں اس کے حالات، مزاج اور ماحول کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ بات قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں ہم پڑھ چکے ہیں، اب یہاں ہمیں اس پہلو پر غور کرنا ہے کہ مصائب و مشکلات اور پریشانیوں اور آزمائشوں سے نجات کیسے ممکن ہے؟

[۱]..... برے اعمال سے توبہ کرنا

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بعض مصائب و مشکلات انسان کے برے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، اس لیے لاحالہ بدی، برائی اور گناہ کے کاموں سے ہمیں اجتناب کرنا ہوگا۔ جو گناہ ہو چکے ان پر ندامت کا اظہار، اللہ سے معافی اور سچی توبہ کرنا ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچنے اور برائیوں سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرنا ہوگی۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً ہماری پریشانیوں اور مشکلات کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے گا۔

برائی، بدی اور گناہ:

ہر وہ کام جس سے اللہ کی نافرمانی اور اس کے اتارے ہوئے دین کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہ گناہ ہے، وہی بدی ہے، وہی شر اور وہی برائی ہے۔ خواہ وہ نماز روزہ ترک کر دینے کی صورت میں ہو یا کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کی شکل میں۔ خواہ جھوٹ بولنے، غیبت کرنے یا گالیاں بکنے کی صورت میں ہو یا حرام کھانے، چوری کرنے، ڈاک ڈالنے، بدکاری اور قتل کرنے کی صورت میں۔

توبہ و استغفار:

گناہوں سے باز آنے اور اللہ سے صدق دل سے معافی مانگنے کو توبہ یا اسْتِغْفَار کہا جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کے علاوہ کوئی انسان ایسا نہیں جسے مَعْصُومٌ عَنِ الْخَطَا [یعنی غلطیوں سے پاک] کہا جاسکتا ہو حتیٰ کہ ایمان لانے کے بعد بھی انسان بشری تقاضوں کی وجہ سے گناہ، معصیت اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، اسی لیے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُم سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [سورۃ التحریم: ۷]

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔“

اس آیت میں جس سچی اور خالص توبہ کا حکم دیا گیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ

۱..... انسان جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اسے فوراً ترک کر دے کیونکہ گناہ کو ترک کیے بغیر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲..... اور یہ پختہ عزم کر لے کہ آئندہ اس گناہ کا بار تکاب نہیں کروں گا۔ اگر بالفرض زندگی میں پھر کبھی شیطان کے بہکانے سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو دوبارہ انسان سچی توبہ کرے اور شیطان کے خلاف اللہ کی مدد حاصل کرنے کی دعا مانگے۔

۳..... اسی طرح جس گناہ پر انسان توبہ کر رہا ہے اس پر اللہ کے حضور ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الْتَدْمُ تَوْبَةٌ)) ”اصل توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ پر نادم ہو“ (ابن ماجہ (۴۲۵۲) احمد (۳۷۶/۱))

قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد ازراہ ندامت وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور پھر اس گناہ پر بدستور قائم نہیں رہتے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ

مُغْفِرُ الذُّنُوبِ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ حِزْبُ ۙ هُمْ مُغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ
وَجَنَّتْ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿١٣٥﴾ [آل عمران: ١٣٥]

”ایسے لوگوں سے جب کوئی برا کام ہو جاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے ہیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں، اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے اپنے کئے (برے عملوں) پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا صلہ اپنے پروردگار کے ہاں یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

(۴)..... کچی توبہ و استغفار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر انسان کے گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس شخص کے ساتھ اس نے ظلم و زیادتی اور برائی کی یا جس کا حق مارا ہے اس کا ازالہ کرے۔ اس کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے وہ مظلوم شخص سے معافی مانگے، اس کا حق واپس کرے، اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرے۔

عیسائیوں کا تصور توبہ و استغفار

عیسائیوں کے ہاں توبہ و استغفار اور بخشش گناہ کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گنہگار شخص چرچ کے پادری کے پاس جائے اور گناہ کی نوعیت کے مطابق پادری کو نفیس ادا کرے اور پھر وہ پادری اسے اپنی طرف سے گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دے دے۔ دین عیسوی میں یہ تصور اس لیے پیدا ہوا کہ عیسائی علماء نے خود کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تشریحی [دین بنانے کے] اختیارات دے رکھے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کسی شخص کو نہ گناہ کی معافی مل سکتی ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ یہ تصور نہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو دی گئی کتاب میں تھا اور نہ کسی اور نبی کی تعلیمات میں۔

افسوس کہ آج قریب قریب یہی صورتحال مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکی ہے۔ بعض نام نہاد علماء اپنے سالانہ چندوں اور نذرانوں کے پیش نظر اپنے قبیحین کو یہ سرٹیفکیٹ دیتے پھرتے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کو اللہ کی بارگاہ میں معاف کروالیں گے.....! اور بعض کم علم بھی ان کے بارے میں قائم کیے بیٹھے ہیں کہ ہم نیک عمل کریں یا نہ کریں، یہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے.....!

[۲]..... اللہ کے حضور دعائیں اور التجائیں

پچھلے صفحات میں ہم یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ مصائب و مشکلات اللہ کے اذن و حکم سے انسانوں پر نازل ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تو ساری مخلوق مل کر بھی اس انسان پر وہ مصیبت نہیں اتار سکتی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مصیبت و مشقت میں مبتلا کرنا چاہیں تو پوری کائنات میں کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

گویا نعمت ہو یا مصیبت اسے نازل کرنے یا اٹھالینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لہذا انسان کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے یا اس کی مزید آزمائش اور بلندی درجات کے لیے اس پر مشکل آن پڑے، ہر حال میں انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اسی کے آگے اپنی مشکل پیش کرنا ہوگی۔ اسی سے دعا، فریاد، عرض، التجا اور درخواست کرنا ہوگی۔ وہ رحمدل ہے، دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آہ بغیر کسی کے واسطے ویلے کے سیدھی اس کے عرش تک پہنچتی ہے بشرطیکہ اسی کو پکارا جائے صرف اسی کو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو حصہ دار (شریک) نہ بنایا جائے، کیونکہ اس سے اللہ رب العزت کا وقار مجروح ہوتا اور اس کی عظمت، عزت اور قدر و منزلت پر حرف آتا ہے اور اس سے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے، وہی مختارِ کل ہے اور وہی صاحبِ امر ہے۔ اس نے اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اسی کو پکاریں۔

حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام لغزش کے مرتکب ہوئے اور جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے سیدھا اسی رب کو پکارا جس نے انہیں جنت سے نکالا تھا۔ حضرت یونس عَلَيْهِ السَّلَام مچھلی کے پیٹ میں جا پھنسے تو وہاں اپنی مدد کے لیے انہوں نے سیدھا اللہ کو پکارا۔ اسی طرح حضرت ایوب عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنی بیماری میں، حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام نے آگ کے آلاؤں میں، حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنی پریشانی میں، اگر کسی کو پکارا تو ایک اللہ وحدہ لا شریک ہی کو پکارا، اور اسی سے دعا اور فریاد کی۔ اپنی کتاب قرآن مجید میں بھی اس نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں صرف اور صرف اسی کو پکاریں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذَاخِرِينَ ﴾ [سورۃ غافر: ۶۰]

”تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری مراد پوری کروں گا۔ یقین مانو جو لوگ میری

عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔“

انبیاء و اولیاء کے واسطے، وسیلہ کی حقیقت:

کسی نعمت کے مطالبے یا کسی مصیبت کے ٹالنے کے لیے براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے پر تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں لیکن اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کو مقبول بنانے کے لیے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی وسیلے کو تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ اختلاف قرآن مجید کی درج ذیل آیت کا مفہوم متعین کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِلُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

”مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب (وَسِيلَةَ) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد

کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔“ [سورۃ المائدہ: ۳۵]

عربی زبان میں وَسِيلَةَ یا تَوَسَّلْ کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں یہ تقرب اور رغبت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ہم نیک عمل کریں۔ اور اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا شرط اولین ہے اور وہی لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے جو اعمال صالحہ انجام دیں گے، جیسا کہ ارشاد: بَارِئِ تَعَالَىٰ هُوَ: ﴿

﴿ وَمَنْ يُعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

وَلَا يَظْلَمُونَ نَفِيرًا﴾ [سورۃ النساء: ۱۲۴]

”جو ایمان والا ہو، مرد ہو یا عورت اور وہ نیک عمل کرے، تو یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور

کے شگاف کے برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔“

لفظ وسیلہ دو چیزوں کے درمیانی واسطے کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اردو میں تو اس کا یہی مفہوم مستعمل ہے، اس لیے اردو دان طبقہ میں اس آیت وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ... کا مفہوم کو متعین کرنے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کسی درمیانی واسطے کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر خود ہی یہ فرض کر لیا گیا کہ اس درمیانی واسطے سے مراد انبیاء، اولیاء اور بزرگان دین ہی ہو سکتے ہیں، چنانچہ اپنی دعاؤں میں لوگوں نے یہ جملہ شامل کر لیا:

..... ”یا اللہ! تمام انبیاء و اولیاء کے صدقے (وسیلے) ہماری دعا قبول فرما.....“

حالانکہ اس آیت میں لفظ وسیلہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد یہی ہوتا تو قرآن مجید میں مذکور بے شمار انبیاء کی دعاؤں میں سے کم از کم کسی ایک نبی کی دعا تو ایسی ہونی چاہیے تھی جس میں انہوں نے اپنے سے پہلے نبیوں کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا مانگی ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی بھی نبی و رسول نے اپنے سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کا ایسا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی کسی نبی، ولی، پیر، شہید، زندہ یا فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ یہی وجہ ہے کسی کی ذات کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا مانگنے کو بہت سے علماء نے بدعت قرار دیا ہے، اس لیے کہ دعا بھی ایک عبادت ہے اور عبادت میں اپنی طرف سے کوئی چیز جاری نہیں کی جاسکتی۔

توسل بالذات [یعنی دعا میں انبیاء و اولیاء وغیرہ کی ذات کا وسیلہ] جائز سمجھنے والے علماء دراصل ایک غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور وہ غلط فہمی انہیں ان روایات سے لاحق ہوئی ہے جن سے بظاہر توسل بالذات کا جواز تو نظر آتا ہے مگر ان میں سے کسی ایک روایت کی سند بھی محدثانہ اصولوں کے مطابق صحیح ثابت نہیں ہوتی مثلاً حضرت آدمؑ کا جنت سے نکلے جانے کے موقع پر حضورؐ کی ذات کا وسیلہ دے کر دعا کرنا۔ یا ایک صحابیہ کی وفات کے موقع پر حضورؐ کا اپنے سے پہلے انبیاء کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا مانگنا۔ یا آپؐ کا صحابہؓ سے یہ کہنا کہ میری ذات کا وسیلہ دے کر دعا کرو..... یہ تمام روایات سخت ضعیف اور موضوع درجہ کی ہیں، اس موضوع پر تفصیلات کے شائق ہماری ترجمہ کردہ کتاب: کتاب الدعاء کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وسیلے کی جائز شکلیں

ہمارے ہاں وسیلے کا جو مفہوم رائج ہے، اسے مد نظر رکھتے ہوئے اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو تین طرح کے وسیلے کا جواز ملتا ہے، ایک اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ، دوسرا اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ اور تیسرا کسی نیک صالح زندہ شخص سے اپنے حق میں دعا کروانے کا وسیلہ۔ یہ تینوں صورتیں اوپر ذکر کردہ توسل بالذات [جو کہ ممنوع ہے] سے جدا ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم ان تینوں طرح کے جائز وسیلوں پر روشنی ڈالیں گے:

(۱)..... اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ:

اس وسیلے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِلُونَ فِي الْأَسْمَاءِ ۖ سُبُجُزُونَ مَا كَانَ لَكُمْ بِمَعْمَلُونَ﴾ [سورة الاعراف: ۱۸۰]

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں [کے وسیلے] سے اللہ ہی سے دعا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ دیتے ہوئے اسے پکارنے اور اس سے دعا مانگنے کے بعض نمونے اور مثالیں بھی قرآن میں موجود ہیں مثلاً ایک آیت میں نبی ﷺ کو اس طرح دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ [سورة المؤمنون: ۱۱۸]

”اور آپ کہیے: اے میرے رب! تو معاف کر دے اور رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اچھا نام خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ہے اس لیے اس صفت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی جاسکتی ہے کہ..... یا اللہ! تو خیر الراحمین ہے اس لیے اپنی اس صفت کے وسیلے مجھ پر رحم فرما.....، دیگر اسماء و صفات کا بھی اسی طرح وسیلہ دیا جاسکتا ہے مثلاً يَا رَافِي! مجھے رزق عطا کر۔ يَا غَفَّارُ! میری مغفرت فرما۔ يَا شَافِي! مجھے شفا عطا فرما۔

(۲)..... اعمالِ صالحہ کا وسیلہ

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ایمان اور نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے اپنی نجات کا سوال کر سکتا ہے، ایمان کا وسیلہ پیش کرنے کی دلیل وہ آیت ہے جس میں ہے کہ چند نیک لوگوں نے اپنے ایمان کا وسیلہ دے کر یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنَّا أَسْمِعْنَا مَنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ [سورة آل عمران: ۱۹۳]

”اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا، ہا واز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو!

اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یا الہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما، اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہماری موت نیکیوں کے ساتھ کر۔“

یہاں یہ نیک لوگ اپنے ایمان لانے کے عمل کو وسیلہ بنا کر اپنی فلاح و بہبود کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اسی طرح اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی ایک دلیل صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پناہ لی۔ اتفاق سے پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے لڑھکی (اور اس نے اس غار کے منہ کو بند کر دیا جس میں یہ تینوں پناہ لیے ہوئے تھے) اب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے سب سے اچھے عمل کا، جو تم نے کبھی کیا ہو، نام لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اس پر ان میں سے ایک نے یہ دعا کی:

”اے اللہ! میرے ماں باپ نہایت بوڑھے تھے، میں اپنے مویشی باہر لے جا کر چرایا کرتا تھا۔ پھر جب شام کو واپس آتا تو ان کا دودھ نکالتا اور برتن میں ڈال کر پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا، جب میرے والدین پی لیتے تو پھر اپنی بیوی، اور بچوں کو دودھ پلایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات واپسی میں دیر ہوگئی اور جب میں گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔ پھر میں نے پسند نہ کیا کہ انہیں جگاؤں، جبکہ بچے میرے قدموں میں بھوکے پڑے رو رہے تھے مگر میں برابر دودھ کا پیالہ لئے والدین کے سامنے اسی طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ کام صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لئے اس چٹان کو ہٹا کر اتنا راستہ تو بنا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے یہ دعا کی: ”اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھے اپنے چچا کی ایک لڑکی سے اتنی زیادہ محبت تھی جتنی ایک مرد کو کسی عورت سے ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی نے کہا تم مجھ سے اپنی خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتے جب تک مجھے سو اشرفی نہ دے دو۔ میں نے ان کے حاصل کرنے کی کوشش کی اور آخر اتنی اشرفی جمع کر لی۔ پھر جب میں اس کی دونوں رانوں کے درمیان بیٹھا تو وہ بولی: اللہ سے ڈرا اور مہر کو ناجائز طریقے پر نہ توڑ۔ اس پر میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اب اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ عمل تیری ہی رضا کے

لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لیے (یہاں سے نکلنے کا) راستہ بنا دے۔“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر دو تہائی حصہ ہٹ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے یہ دعا کی:

”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے ایک فسق جوار [یعنی ایک برتن بھر جوار بعض روایات کے مطابق: ایک برتن بھر چاول کی مزدوری] پر کام کرایا تھا۔ جب میں نے اس کی مزدوری اسے دی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس جوار کو لے کر بویا (کھیتی جب کئی تو اس میں اتنی جوار پیدا ہوئی کہ) اس سے میں نے ایک بیل اور ایک چرواہا خرید لیا، کچھ عرصہ بعد پھر اسی مزدور نے آ کر مطالبہ کیا کہ خدا کے بندے مجھے میرا حق دے دے۔ میں نے کہا کہ اس بیل اور اس کے چرواہے کے پاس جاؤ کیونکہ یہ تمہارے ہی ملکیت ہیں۔ اس نے کہا مجھ سے مذاق کرتے ہو؟! میں نے کہا، میں مذاق نہیں کرتا، واقعی یہ تمہارے ہی ہیں۔ (تو وہ انہیں لے کر چلتا بنا)

اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ کام میں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے (اس چٹان کو ہٹا کر) راستہ بنا دے۔“ چنانچہ وہ غار پورا کھل گیا اور وہ تینوں شخص باہر آ گئے۔^(۱) اسی طرح ایک صحابی عبداللہ بن علی بن رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی طرف حجاج بن یوسف جیسے ظالم حکمران نے پیغام بھیجا کہ میرے دربار میں پہنچو (اس صحابی کو اپنی موت کا خطرہ لاحق ہوا چنانچہ) انہوں نے با وضو ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا مانگی:

”یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کبھی یتیم کا مال نہیں کھایا، کبھی پاکدامن پر تہمت نہیں لگائی۔ یا اللہ! اگر میں اپنے دعوے میں سچا ہوں تو مجھے حجاج کے شر سے بچالے“^(۲) معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کا اس طرح وسیلہ پیش کر کے اللہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

(۳)..... نیک زندہ شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا

کسی نیک صالح شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا بھی وسیلے کی ایک جائز شکل ہے اس لیے کہ بخاری و مسلم جیسی مستند کتب احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دعا کروالیا کرتے تھے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس

(۱) [صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتري شيئا لغيره بغير اذنه (ج- ۲۲۱۵)]

(۲) [تاریخ بغداد (۴/۱۰) تاریخ فسوی (۲۳۱/۱) بحوالہ کتاب الدعوات ترجمہ از، راقم الحروف (ص ۳۷۷)]

نبی ﷺ سے بارش کی دعا کرواتے اور خود بھی یہ دعا فرماتے:

((اللَّهُمَّ اِنَّا تَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَاِنَّا تَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا... قَالَ فَيَسْقُونَ))^(۱)

”یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے بارش کی دعا کے لیے) وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا اب (جبکہ نبی ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو) ہم تیرے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں) پس تو (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کا بیان ہے کہ) اس کے بعد بارش ہو جایا کرتی تھی۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فوت شدگان کا واسطہ وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ ہی کا وسیلہ پیش کرتے مگر انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اپنے میں سے ایک زندہ بزرگ صحابی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی، لہذا کسی زندہ نیک شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا جائز ہے، مگر کسی فوت شدہ کا واسطہ وسیلہ دے کر دعا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اللہ حق بات پر عمل کی توفیق دے، آمین!

[۳]..... اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصائب و مشکلات کی ایک بڑی وجہ انسان کے برے اعمال ہیں۔ یہ برے اعمال انسان کو گھنگار بناتے ہیں اور گھنگار انسان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اپنے غضب کے اظہار کے طور پر دنیا میں بھی ایسے انسان کو آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر برے اعمال سے توبہ اور اللہ کے حضور دعا و مناجات کے علاوہ اس کی رضامندی کے حصول اور اپنے گناہوں کی معافی کی نیت سے صدقہ و خیرات دی جائے تو انسان سے بلائیں ملتیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ صدقہ و خیرات انسان کے گناہوں کو دھونے کا باعث ہیں جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ))^(۲)

”صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا فحظوا] - (ج ۱۰۱) (۱)

(۲) [ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة] - (ج ۲۶۱۶) اس ماجہ: کتاب الفتن - (ج ۳۹۷۳) (۲)

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لِتَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِئْتَةَ السَّنَةِ))^(۱)

”بلاشبہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت سے انسان کو بچاتا ہے۔“

صدقہ و خیرات سے جس طرح گناہ اور دنیوی مصائب دور ہوتے ہیں، اسی طرح صدقہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی نجات دلاتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر عورتوں سے فرمایا:

((تَصَلِّقْنَ فَإِنَّ أُرْبَتِكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ))^(۲)

”صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے۔“

صدقہ و خیرات کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک بادل سے یہ آواز سنی کہ (کسی نے بادل سے کہا ہے کہ) ”فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ۔“ چنانچہ وہ بادل ایک طرف چلنا شروع ہو گیا پھر اس بادل نے ایک سنگلاخ زمین پر اپنا پانی برسایا، اور نالیوں میں سے ایک نالی میں اس بارش کا پانی جمع ہو گیا، وہ آدمی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے (ایک جگہ) دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور اپنے نیچے سے اس پانی کو (اپنے باغ میں) ادھر ادھر تقسیم کر رہا ہے۔

اس نے اس آدمی سے پوچھا: اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتایا اور یہ وہی نام تھا جو اس نے بادلوں سے سنا تھا۔ باغ والے نے اس سے پوچھا: اللہ کے بندے! تجھے میرا نام پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس نے کہا کہ جس بادل سے یہ پانی برسا ہے، اس سے میں نے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ تو وہ تمہارا ہی نام لیا گیا تھا، لہذا تم مجھے بتاؤ کہ تم اپنے باغ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ (کہ تمہارے لیے اللہ کا خصوصی فضل نازل ہوتا ہے) اس نے کہا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو، میرے اس باغ کی جو پیداوار ہوتی ہے، اسے میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں؛ ایک حصہ میں صدقہ کر دیتا ہوں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال میں لاتا ہوں اور ایک حصہ اسی باغ پر لگا دیتا ہوں۔“^(۳)

(۱) [ترمذی، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی فضل الصدقة (ح- ۶۶۴)]

(۲) [بخاری، کتاب الحیض (ح- ۳۰۴) | مسلم کتاب الایمان (ح- ۸۰) | (۳) | مسلم کتاب الزهد (ح- ۲۹۸۴)]

[۴].....مظلوم اور پریشان حال سے تعاون

اگر کسی مظلوم، تنگدست اور پریشان حال شخص سے بقدر استطاعت تعاون کیا جائے تو اس سے خود تعاون کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی خصوصی تعاون فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ نَسَرَ عَلَىٰ غَيْرِ يَسْرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ))^(۱)

”جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیوی مشکلات میں سے ایک مشکل آسان کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرمادیں گے۔ اور جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک کوئی آدمی اپنے بھائی کی مدد کر رہا ہوتا ہے، تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔“

[۵].....صبر و استقامت اور نماز

اگر توبہ و استغفار، دعا و مناجات اور صدقہ و خیرات وغیرہ کے باوجود کسی انسان کی پریشانیوں، دکھوں اور تکلیفوں میں کمی واقع نہ ہو تو پھر بھی انسان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر و استقامت سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے جن کی مصیبتیں اور پریشانیاں خود اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اس طرح اپنے سے زیادہ پریشان حال سے تقابل کرنے سے انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ چلو میری پریشانیاں فلاں فلاں لوگوں سے تو کم ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنے سے کمتر اور بد حال لوگوں کی بجائے بہتر اور خوشحال لوگوں کی مثال سامنے رکھے گا تو اس سے اس کی زبان سے اللہ کے بارے حریف شکایت نکلنے کا ائمہ شرع سے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۱) [صحيح مسلم، كتاب الدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، ۱۰۰/۱۰۰، ۱۲۶۶۹]

((أَنْظِرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَحَدُكُمْ إِلَّا تَزِدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ))^(۱)

”اس بندے کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اعلیٰ درجہ کا ہے بلکہ اس کی طرف دیکھو جو تم سے نچلے درجہ کا ہے، اس طرح تمہیں اس نعمت کی قدر ہوگی جو اللہ نے تم پر کر رکھی ہے۔“ [اور تم سے کمتر اس نعمت سے محروم ہے] صبر و استقامت کے سلسلہ میں انسان کو انبیاء کی مثالوں کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کس طرح مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی انبیاء و رسل اللہ کے دین پر کار بند رہے اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں کی طرف سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں اور تنگیوں پر صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ انہی انبیاء کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ [سورة الاحقاف: ۳۵]

”پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔“

اسی طرح ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ﴾ [سورة البقرة: ۱۵۳]

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔“

مزید برآں صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم اور جنت کی خوشخبری بھی سنائی:

﴿ أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا ﴾ [سورة القصص: ۵۴]

”یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا اجر دیئے جائیں گے۔“

﴿ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا ﴾ [سورة الفرقان: ۷۵]

”یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند و بالا خانے دیئے جائیں گے۔“

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں عقیدہ توحید سمجھنے اور اسی پر جینے مرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے راضی ہو کر ہمیں اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمادے، آمین یا رب العالمین! [طالب خیر: حافظ مبشر حسین]

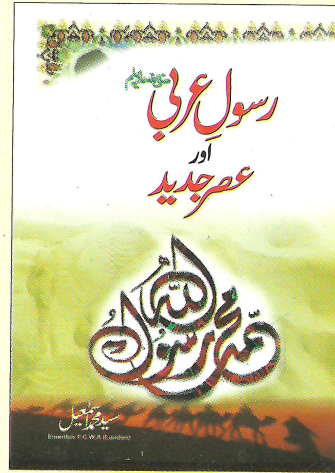
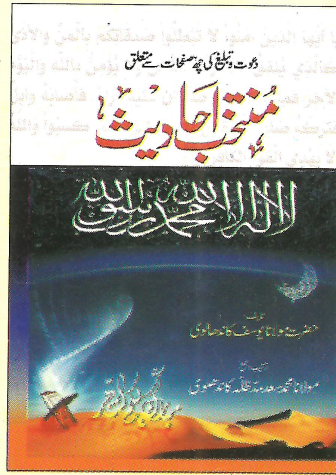
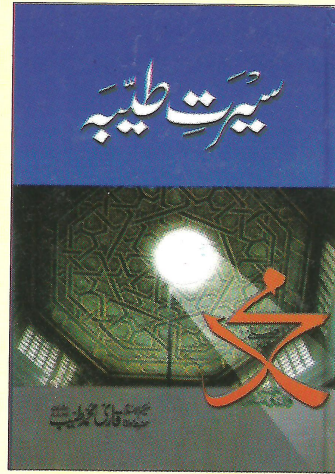
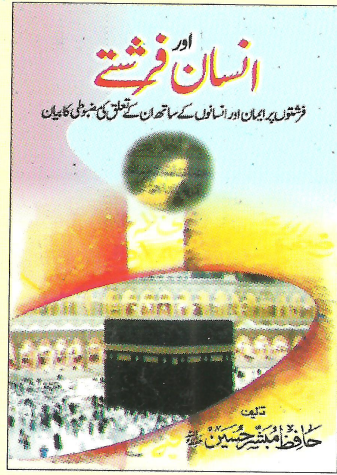


(۱) [صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب الدنيا سجن المؤمن و جنة للكافر (ح-۲۹۶۲)]

اریب پبلیکشینز کی اہم مطبوعات

125/-	ڈاکٹر یوسف القرضاوی	اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم	1
120/-	از عبد اللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی	آہ وزاری (تاریخ اسلام کے اہم واقعات)	2
125/-	محمد طاہر منصور، عبدالحی ابزو	امام ابوحنیفہؒ کی زندگی اور خدمات	3
60/-	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	اسلامی معلومات (انسائیکلو پیڈیا)	4
130/-	مولانا ابوالحسن خالد محمود	دس فقہائے صحابہ	5
60/-	ڈاکٹر ام کلثوم	بچے کی تربیت (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)	6
180/-	گھنت ندیر	حیات انبیائے کرام بزبان قرآن	7
120/-	غلام رسول مہر	انبیائے کرام (مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات)	8
160/-	احمد ظہیر جمہ	اولاد کی تربیت (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	9
130/-	علامہ عباس محمد العقاد المصری	خانہ کعبہ کے معمار اول حضرت ابراہیم علیہ السلام	10
130/-	ڈاکٹر شایڈ ڈار	شاہ عبدالعزیز محمد دہلوی اور ان کی علمی خدمات	11
130/-	ڈاکٹر محمود علی سڈنی	فلسفہ سائنس اور کائنات	12
50/-	پروفیسر سلیم چشتی	اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش	13
130/-	مولانا محمد حنیف ندوی	عقائد ابن تیمیہ	14
120/-	مولانا محمد حنیف ندوی	ادکار ابن خلدون	15
125/-	ناوم بیتا پوری	تخصیص مقدمہ ابن خلدون	16
140/-	ڈاکٹر محمود احمد غازی	معاشرت قرآنی (قرآن کریم کی تاریخی اہمیت)	17
160/-	میاں محمد افضل	یہ باتیں بھی قرآن میں ہیں	18
100/-	سید معروف شاہ شیرازی	سیرۃ القرآن	19
125/-	محمد افضل احمد	تفسیر قرآن توجیح قرآن کریم	20
80/-	مولانا محمد ظفر اقبال	خلاصہ قرآن رکوع بہ رکوع	21
60/-	محمد بن حامد بن عبدالوہاب	احادیث رسول سے منتخب ۶۰ ساٹھ دلچسپ واقعات	22
85/-	طلعت عظمیٰ محمد سالم	آنحضرتؐ کے بیان فرمودہ سبق آموز واقعات	23
70/-	ابن سرور محمد اویس	خاندان نبویؐ کے چشم و چراغ	24
165/-	ابن القیم جوزید	تعلیمات شرعیہ کی روشنی میں محبت کی حقیقت اور تقاضے	25
40/-	مولانا احمد عمر خاں	آداب اعمال اور دعائیں	26
290/-	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	قرآن حکیم انسائیکلو پیڈیا	27
300/-	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	صحابہ اکرام انسائیکلو پیڈیا	28
160/-	پروفیسر سعید الحق	محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک	29

80/-	محمد عبدالجلیل شرر	عصر قدیم	30
130/-	میاں محمد شفیع	۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی (واقعات و حقائق)	31
35/-	مولانا محمد اویس سرور	حضرت عبداللہ بن مسعود کے سو قے	32
35/-	مولانا محمد اویس سرور	حضرت عبداللہ بن عباس کے سو قے	33
35/-	مولانا محمد اویس سرور	حضرت فاطمہ کے سو قے	34
35/-	مولانا محمد ظفر اقبال	سیرت امیر معاویہ اور ان کے دلچسپ واقعات	35
50/-	مترجم خالد محمود	قرآن حکیم میں عورتوں کے قے	36
60/-	مولانا خالد محمود صاحب	خبر و برکت کا لازوال زخمیرہ	37
160/-	مولانا خالد محمود صاحب	آیات قرآنی کے شان نزول	38
35/-	مولانا محمد ظفر اقبال	فتنہ یا جوج و ماجوج قرآن وحدیث کی روشنی میں	39
50/-	مولانا محمد ادریس صاحب	حصن حصین	40
130/-	ڈاکٹر محمود علی سڈنی	فلسفہ سائنس اور کائنات	41
80/-	خلیق احمد نظامی	دنی تاریخ کے آئینے میں	42
35/-	ازمولانا اشرف علی تھانوی	آداب زندگی	43
90/-	ازمولانا محمد اشرف علی تھانوی	اسلام کے بنیادی احکام	44
70/-	ازمحمد زید (ایم ایس سی)	گنجینہ معلومات (اسلام کے ہر پلورہ پر معلومات پر سوال جواب)	45
80/-	ازامام ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدینا قرشی بغدادی	زادوں کے واقعات	46
70/-	ازعبداللہ بدران	مومنات کا قافلہ اور ان کا کردار	47
55/-	ازموسیٰ الاسود	گلستان مومنات	48
140/-	ڈاکٹر محمود احمد غازی	محاضرات قرآن (قرآن کریم کی تاریخی اہمیت)	49
60/-	ازامام ابی عمر عثمانی بن سعید الدانی	قرآنی معلومات اور تحقیق	50
55/-	ازمولانا عاشق الہی بلندی شہری	مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	51
35/-	محمد رمضان فاروقی	خواب (ایک دلچسپ اور پراسرار کائنات)	52
165/-	ابن القیم جوزید	تعلیمات شریعہ کی روشنی میں محبت کی حقیقت اور تقاضے	53
125/-	احمد جاوید	انتخاب کلیات اقبال مع فرہنگ	54
120/-	ڈاکٹر وحید مشرت	تجدید فکریات اسلام	55
70/-	سیدہ قاسم محمود	پیام اقبال تمام نوجوان ملت	56
80/-	پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم	کائنات اور اس کا انجام (قرآن اور سائنس کی روشنی میں)	57



اریب
پبلیکیشنز
Rs. 80/-

Areeb Publications

1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph: 23282550 Email: apd@bol.net.in